عِلمِ دین

- علم دین اور اس کے سیکھنے کے فضائل، کتنا علم دین سیکھنا فرض ہے؟
- دنیاوی علم حاصل کرنے کی شرائط کیا ہیں؟ کیا دینی باتوں کو عقل سے پرکھا جاسکتا ہے؟
- علم دین سیکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا صرف کتابوں سے دینی معلومات لینا کافی ہے؟
- کسی سے دینی معلومات حاصل کرنے سے پہلے کن باتوں کی چھان بین ضروری ہے؟
- علماء متفق ہوجائیں تو سب ٹھیک ہوجائیں۔ علماء سائنسی ترقی میں رکاوٹ ہیں
- زمانے کے حالات سے بے خبر، اُن میں ملک چلانے کی اہلیت نہیں
- علماء فرقہ واریت اور انتہاء پسندی میں ملوث ہیں، قیام پاکستان کے مخالف تھے
  معاشرے پر بوجھ ہیں۔
- علماء اور اہل علم سے متعلق اس جیسے بہت سارے سوالات کے جوابات

مرتب: مُفتی مُنیر احمد صاحب

استاذ: جامعہ معہد العلوم الاسلامیۃ (رجسٹرڈ)

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

عِلمِ دین

- علم دین اور اس کے سیکھنے کے فضائل، کتنا علم دین سیکھنا فرض ہے؟
- دنیاوی علم حاصل کرنے کی شرائط کیا ہیں؟ کیا دینی باتوں کو عقل سے پرکھا جاسکتا ہے؟
- علم دین سیکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا صرف کتابوں سے دینی معلومات لینا کافی ہے؟
- کسی سے دینی معلومات حاصل کرنے سے پہلے کن باتوں کی چھان بین ضروری ہے؟
- علماء متفق ہوجائیں تو سب ٹھیک ہوجائیں۔ علماء سائنسی ترقی میں رکاوٹ ہیں
- زمانے کے حالات سے بے خبر، اُن میں ملک چلانے کی اہلیت نہیں
- علماء فرقہ واریت اور انتہاء پسندی میں ملوث ہیں، قیام پاکستان کے مخالف تھے معاشرے پر بوجھ ہیں۔
- علماء اور اہل علم سے متعلق اس جیسے بہت سارے سوالات کے جوابات

مرتب: مفتی منیر احمد صاحب

استاذ: جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

{جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں}

◄ کتاب کا نام : علمِ دین

◄ مرتب : [redacted]

◄ تاریخ طباعت : ذوالحجہ 1443ھ جولائی 2022ء

◄ ناشر : المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

◄ ای میل : admin@almuneer.pk

◄ ویب سائٹ : almuneer.pk

◄ فیس بک : AlMuneerOfficial

◄ فیس بک : Almuneer

المنیر مرکز تعلیم وتربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

ملنے کا پتہ

جامعہ معہد العلوم الاسلامیہ

متصل جامع مسجد الفلاح بلاک "H" شمالی ناظم آباد، کراچی

فون نمبر: 0331-2607204 - 0331-2607207

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	**کتاب 1: علم دین کی حقیقت**	6
2	باب:1 علم دین اور اس کے سیکھنے کے فضائل	7
3	باب:2 دین کا علم دنیا کے علم سے کیوں افضل ہے	15
4	باب:3 دنیاوی علم حاصل کرنے کی شرائط	41
5	باب: 4 دینی باتوں کو عقل سے پرکھنا	51
6	باب: 5 کتنا علم دین سیکھنا ہر شخص پر فرض ہے	57
7	**کتاب:۔2 علم سیکھنے کا صحیح طریقہ**	62
8	باب:1 علم دین استاذ سے سیکھا جائے، صرف کتاب سے نہیں	63
9	باب:2 استاذ بنانے سے پہلے تحقیق چھان پرکھ ہو	80
10	باب:3 استاذ میں یہ باتیں دیکھی جائیں	106
11	(1) مسلمان ہو، غیر مسلم نہ ہو	106
12	(2) باقاعدہ استاذ سے پڑھا ہو، صرف ذاتی مطالعہ نہ ہو	110
13	(3) فن کا ماہر ہو، سطحی علم کا حامل نہ ہو	121
14	(4) باعمل ہو، قول وعمل میں تضاد نہ ہو	151
15	**کتاب:۔3 علماء کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا حصہ نہ بنئے**	169
16	باب:1 علماء کی قدر ومنزلت پہچانیں	170
17	باب:2 علماء پر نہ بلاتحقیق الزام لگائیں نہ کسی کے لگائے ہوئے الزام کو قبول کریں	179
18	باب:3 جھوٹے اور غلط الزام نہ لگائیں اور نہ ایسے الزامات قبول کریں	181

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
19	❑ جہالت کا الزام	181
20	❑ فرقہ واریت اور انتہاء پسندی کا الزام	189
21	❑ فرقہ واریت اور انتہاء پسندی میں ملوث ہونا	193
22	❑ قیامِ پاکستان کی مخالفت کرنے کا الزام لگانا	196
23	❑ علماء/آئمہ کرام کی کردار کشی	199
24	❑ معاشرے پر بوجھ ہیں	202
25	❑ لیتے ہیں، دیتے نہیں	202
26	باب:4 بدسلوکی/امتیازی سلوک نہ کریں	209
27	❑ تنقید کا نشانہ بنانا	209
28	❑ بیرونی مطالبات کی وجہ سے علماء/مدارس کے خلاف کاروایاں کرنا	210
29	❑ خواہ مخواہ بدنام کرنے کی کوشش کرنا	213
30	❑ بے گناہ طلباء کو گرفتار کر کے ان کی نسبت کالعدم تنظیموں سے جوڑ دینا	215
31	❑ فرد کی غلطی کا الزام پوری جماعت پر لگا دینا	215
32	❑ توہین، تحقیر، تذلیل اور اہانت	215
33	❑ کام زیادہ لینا تنخواہ نہ دینا یا کم دینا	216
34	کتاب 4: اہل علم سے سوال کرنے، مسئلہ پوچھنے کے آداب	217
35	❑ کیوں سوال کریں؟	218
36	❑ کب سوال کرنا ہے؟	220
37	❑ کون سوال کرے؟	220
38	❑ کیسے سوال کریں؟	221
39	حوالہ جات	223

علم دین

کتاب 1: علم دین کی حقیقت

کتاب 2: علم دین سیکھنے کا صحیح طریقہ

کتاب 3: علماء کے خلاف کی جانے والی سازشیں

کتاب 3: اہل علم سے سوال کرنے، مسئلہ پوچھنے کے آداب

کتاب 1

علم دین کی حقیقت

باب:1 علم دین اور اس کے سیکھنے کے فضائل
باب:2 دین کا علم دنیا کے علم سے کیوں افضل ہے
باب:3 دنیاوی علم حاصل کرنے کی شرائط
باب:4 دینی باتوں کو عقل سے پرکھنا
باب:5 کتنا علم دین سیکھنا ہر شخص پر فرض ہے

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

باب:1

علم دین اور اس کے سیکھنے کے فضائل

سوال: علم دین کے کیا فضائل ہیں؟

جواب: حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم و ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے جو زمین پر (خوب) برسے۔ بعض زمین جو صاف ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور بعض زمین جو سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں۔ اور کچھ زمین کے بعض خطوں پر پانی پڑتا ہے جو بالکل چٹیل میدان ہوتے ہیں، نہ پانی روکتے ہیں اور نہ ہی سبزہ اگاتے ہیں۔ تو یہ اس شخص کی مثال ہے جو دین میں سمجھ پیدا کرے اور نفع دے، اس کو وہ چیز جس کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ اس نے علم دین سیکھا اور سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے سر نہیں اٹھایا (یعنی توجہ نہیں کی) اور جو ہدایت دے کر میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔(1)

- حضرت امام حسن بصریؒ سے اس آیت: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة کے بارے میں مروی ہے:

دنیا میں حسنہ سے مراد علم اور عبادت ہے، اور آخرت میں حسنہ سے مراد جنت ہے۔(2)

- مطرف بن عبداللہؒ نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

اے بیٹے علم عمل سے زیادہ بہتر ہے۔(3)

سوال: علم دین سیکھنے کے کیا کیا فضائل ہیں؟

جواب: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔**(4)**

● قرآن کریم میں ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔

(توبۃ:122)

سو کیوں نہ نکلے ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت، تاکہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کریں اور جب قوم کی طرف لوٹ کر آئیں تو اس کو خبردار کریں تاکہ لوگ بچتے رہیں۔

● حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عالم بنو یا طالب علم بنو یا ان کو سننے والا بنو، خبردار اس کے علاوہ چوتھا نہ بننا ہلاک ہوجاؤ گے۔**(5)**

● ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علم حاصل کرو اس سے پہلے کہ وہ اٹھالیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کیسے اٹھایا جائے گا جبکہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے غصہ ہوئے اور فرمایا: کیا بنی اسرائیل کے پاس تورات اور انجیل نہیں تھیں؟ لیکن پھر بھی ان کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکیں۔ علم کا اٹھانا اس طرح ہے کہ اہل علم کو اٹھالیا جائے۔ علم کا اٹھانا اس طرح ہے کہ اہل علم کو اٹھالیا جائے۔ **(6)**

● ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علم حاصل کرو اس سے پہلے کہ وہ اٹھالیا جائے۔ بیشک علماء کا اٹھالینا علم کا اٹھالینا ہے۔ عالم اور طالب علم اجر میں برابر ہے۔**(7)**

● ایک شخص مدینہ سے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق آیا، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

میرے بھائی! تمہیں یہاں کیا چیز لے کر آئی ہے، اس نے کہا: مجھے یہ بات معلوم ہوئی

ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں، ابوالدرداء نے کہا: کیا تم کسی اور ضرورت سے تو نہیں آئے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: کیا تم تجارت کی غرض سے تو نہیں آئے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں تو صرف اس حدیث کی طلب و تلاش میں آیا ہوں، ابوالدرداءؓ نے کہا: (اچھا تو سنو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص علم دین کی تلاش میں کسی راستہ پر چلے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اسے جنت کے راستہ پر لگا دیتا ہے۔ بیشک فرشتے طالب (علم) کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں، اور عالم کے لیے آسمان و زمین کی ساری مخلوقات مغفرت طلب کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر، بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے۔ اس لیے جس نے اس علم کو حاصل کر لیا، اس نے (علم نبوی اور وراثت نبوی سے) پورا پورا حصہ لیا۔ **(8)**

- **ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**

جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلے تو وہ لوٹنے تک اللہ کی راہ میں (شمار) ہوگا **(9)**

- **ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:**

جو شخص اس راستے پر چلتا ہے جس میں وہ علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ **(10)**

- **حضرت حسن بصریؒ نبی کریم ﷺ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:**

جس کو موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو تا کہ وہ علم حاصل کر کے دین اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ **(11)**

- **آپ ﷺ نے فرمایا:**

جس شخص نے علم تلاش کیا تو یہ اس کے ماضی کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ **(12)**

- **حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:**

جو میری اس مسجد یعنی مسجد نبوی میں صرف کسی خیر کی بات کو سیکھنے یا سکھانے کے لیے آئے تو وہ (ثواب میں) اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے درجہ میں ہے۔ اور جو اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آئے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو دوسرے کے ساز و سامان کو دیکھ رہا ہو (اور ظاہر ہے کہ دوسرے کی چیزوں کو دیکھنے سے اپنا کوئی فائدہ نہیں)۔(13)

فائدہ: حدیث شریف میں مذکورہ فضیلت تمام مساجد کے لیے ہے کیونکہ تمام مساجد مسجد نبوی کی تابع ہیں۔(14)

- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:
  ابوذر! اگر تم صبح جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لو تو نوافل کی سو رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لو خواہ وہ اس وقت کا عمل ہو یا نہ ہو (مثلاً تیمم کے مسائل) تو ہزار رکعات نوافل سے بہتر ہے۔(15)
- حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
  جو شخص علم کی تلاش میں لگے پھر اس کو حاصل بھی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو اجر لکھتے ہیں۔ اور جو شخص علم کا طالب ہو لیکن اس کو حاصل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک اجر لکھتے ہیں۔(16)
- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
  اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں۔(17)
- سیدہ درہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں:
  میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا تو میں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پانی کے برتن کی طرف لپکیں اور میں نے پانی کا برتن پکڑ لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور میری طرف نظر اٹھا کر فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ وہ کہتی ہیں کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، جبکہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تھے، اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کون سے لوگ بہتر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں بہترین وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کے دین کو سمجھنے والا ہو اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔(18/1)

● ان سب سے واضح قصہ، حضرت قبیصہ بن مُخارق رضی اللہ عنہ کا ہے، جو حیاۃ الصحابہؓ میں مسند احمد کے حوالے سے ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت قبیصہؓ فرماتے ہیں:

میں حاضرِ خدمت ہوا، مجھ سے آنے کی وجہ پوچھی تو میں نے عرض کیا: میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور ہڈیاں جواب دے گئی ہیں، (مگر) میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسی بات تعلیم دے دیں جو مجھے فائدہ پہنچائے۔ اس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت تو فرمائی ہی، مگر اس سے پہلے فرمایا: ''اس نیت کے ساتھ آنے کی وجہ سے تم جس درخت، پتھر یا ڈھیلے کے پاس سے گزرے، اس نے تمہارے لیے استغفار کیا۔''

یہ حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کوئی دین کا تفصیلی علم حاصل کرنے نہیں آئے تھے، جیسے کہ پوری روایت سے معلوم ہوتا ہے، مگر طلبِ علم کی فضیلت کا مستحق اُن کو بھی قرار دے کر حوصلہ افزائی فرمائی۔(18/2)

سوال: علماء کے دین سکھانے والوں کے فضائل بیان کریں۔

جواب: قرآن کریم میں ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔

(مجادلہ:11)

اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہو (اخروی) درجے بلند کرے گا۔

● ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰؤُا۔ (فاطر:28)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

- ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت سارے ستاروں پر، بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے۔ اس لیے جس نے اس علم کو حاصل کرلیا، اس نے (علم نبوی اور وراثت نبوی سے) پورا پورا حصہ لیا۔(19)

- حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عالم کے لیے آسمان وزمین کی تمام مخلوق مغفرت طلب کرتی ہے، یہاں تک کہ سمندر میں مچھلیاں بھی۔(20/1)

- حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمت خاصہ نازل فرماتے ہیں، فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ بلوں میں چیونٹیاں اور سمندروں میں مچھلیاں دُعاءِ خیر کرتی ہیں اُس شخص کے لیے جو لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا ہے۔(20/2)

- حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے کسی کمرے سے نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے، آپ نے اس میں دو حلقے دیکھے، ایک تلاوت قرآن اور ذکر و دعا میں مشغول تھا، اور دوسرا تعلیم و تعلم میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں حلقے نیکی کے کام میں ہیں، یہ لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں، اور اللہ سے دعا کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں دے اور چاہے تو نہ دے، اور یہ لوگ علم سیکھنے اور سکھانے میں مشغول ہیں، اور میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر انہیں کے ساتھ بیٹھ گئے۔(21)

- حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جو شخص صبح یا شام مسجد چلا جائے اور اس کا کوئی مقصد نہ ہو سوائے اس کے کہ کوئی اچھی بات سیکھائے یا خود سیکھے تو وہ شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے اس مجاہد کی طرح ہے جو مال غنیمت کے ساتھ گھر واپس لوٹا ہو۔(22)

- **ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:**

  اللہ کی قسم اگر تیری رہنمائی سے اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹ سے (جو بہت قیمتی اور عزیز ہوتے ہیں) بہتر ہے۔**(23)**

- **ایک اور رایت میں ارشاد ہے:**

  جس نے کسی کو علم دین سکھایا، تو اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا کہ اس شخص کو جو اس پر عمل کرے، اور عمل کرنے والے کے ثواب سے کوئی کمی نہ ہوگی۔**(24)**

- **ایک اور روایت میں آتا ہے:**

  رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے۔ ایک عالم تھا وہ صرف فرض نمازیں پڑھ کر بیٹھ جاتا تھا اور لوگوں کو اچھی باتیں سیکھاتا تھا، دوسرا دن بھر روزہ رکھتا تھا اور رات بھر تہجد پڑھتا تھا۔ ان میں سے افضل کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ عالم جو صرف فرض پڑھ کر پھر لوگوں کو اچھی باتوں کی تعلیم دیا کرتا تھا اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن بھر روزہ رکھتا تھا اور رات کو تہجد پڑھتا تھا ایسی ہے جیسے کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص کے مقابلہ میں ہے۔**(25)**

سوال: مذکورہ احادیث میں جس علم کو حاصل کرنے کے فضائل آئے ہیں ان سے کون سا علم مراد ہے، دین کا یا دنیا کا؟

جواب: دین اسلام میں ایسے دنیاوی علوم جو مفید ہوں خلاف شرع امور پر مشتمل نہ ہوں ان کی تحصیل اور استعمال میں شریعت کی پابندی کی جاتی ہو ان کو سیکھنا جائز بلکہ کسی حد تک ضروری ہے۔ لیکن قرآن وحدیث میں جس علم کی اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے اس سے دین کا علم مراد ہے دنیا کا نہیں۔

باب:2

دین کا علم دنیا کے علم سے کیوں افضل ہے

سوال: دین کا علم دنیا کے علم سے کیوں افضل ہے؟

جواب:

پہلی بات: اس لیے کہ دینی علوم سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں، دنیا کے علم سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

دوسری بات: دینی علوم کا مدار وحی الٰہی پر ہے، دنیاوی علوم کا عقل انسانی اور حواس پر

تیسری بات: علم دین کا معلوم اللہ ہیں اور دنیاوی علم کا مخلوق

پہلی بات

معلّم (استاد)	متعلّم (شاگرد)	نیّت	ماحول	ثمرات
☆دنیاوی جاہ وحشمت سے بے پروا ☆حُبِّ مال سے دل خالی ☆متقی، پرہیزگار سکھانے کے لئے بے چین ومضطرب ☆اعلیٰ اخلاق اوراونچے کردار کا عملی نمونہ	☆تواضع و انکسار کا نمونہ ☆علم کی محبت دل میں جاگزیں تقویٰ اور نیکی میں مسابقت کا جذبہ ☆سیکھنے کی طلب وجستجو ☆تعمیر کردار کا شوق	☆اللہ کی رضا ☆للّٰہیت اور خشیّت ☆سیکھنا اور سکھلانا ☆اقامت دین ☆احیائے دین ☆اچھے معاشرے کی تعمیر ☆مفید زندگی	☆خداخوفی ☆پاکیزگی ☆روحانیت ☆فکری یکسوئی ☆ایمان ☆علم وعمل ☆ایثار وقربانی ☆اخوّت ومحبت	☆مادی ترقی ☆روحانی آسودگی ☆امن عالم ☆بہبود انسانیت ☆ترقی پذیر معاشرہ (26)

ان عظیم منافع اور فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ دینی علوم دنیاوی علوم سے افضل ہیں۔

دوسری بات

دینی علوم کا مدار وحی الٰہی پر ہے اور بقیہ علوم کا حواس و عقل پر اور جہاں عقل کی انتہاء ہوتی ہے وہاں سے وحی کی ابتداء ہوتی ہے، بالفاظ دیگر وحی الٰہی کو عقل انسانی سے وہی نسبت ہے جو اللہ کو بندہ سے ہے لہٰذا جس علم کا مدار وحی الٰہی پر ہوگا وحی الٰہی کے کامل ہونے کی وجہ سے وہ علوم بھی کامل ہوں گے اور جن علوم کا مدار انسانی عقل پر ہوگا تو عقلِ انسانی کے ناقص ہونے کی وجہ سے وہ علوم بھی ناقص ہوں گے کیونکہ ناقص سے کامل چیز وجود میں نہیں آسکتی۔

● ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بینکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عریانی مَے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
جو قوم کے فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق وبخارات

تیسری بات

دینی علم دنیاوی علم سے افضل ہے اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی علم کے افضل ہونے کا

معیار یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس علم کا معلوم کس درجہ کا ہے۔معلوم اس کو کہتے ہیں جس کے حالات اس علم میں بیان کئے جائیں اور ہر علم کا معلوم الگ ہوتا ہے،جس علم کا معلوم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ کا وہ علم ہوگا۔مثلاً کاشت کاری کا معلوم کھیتی کرنا ہے اور پیتھالوجی کا معلوم پیشاب، پاخانہ،خون ٹیسٹ کرنا ہے تو جو مقام ان دونوں معلوموں یعنی کھیتی اور پیشاب پاخانہ کا ہوگا وہی مقام ان کے علموں کا بھی ہوگا، اور ظاہر ہے کہ پیشاب پاخانہ ناپاک اور گھٹیا چیز ہے اور کھیتی صاف ستھری اور پاکیزہ چیز ہے۔

لہٰذا پیتھالوجی کا علم ایک انتہائی کم ترین درجہ کی چیز ہوگا اور کاشت کاری کا علم اس کی بنسبت ایک عمدہ اور قابل وقعت چیز شمار ہوگا، پیتھالوجی کا علم علم کاشت کاری کے سامنے علم کہلانے کا بھی مستحق نہ ہوگا۔

اسی طرح علم دین کا معلوم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے حکم ہیں،تمام علم دین کا مقصود یہی ہے،علم دین کے علاوہ تمام علوم کا معلوم دنیا اور اس کی چیزیں ہیں۔پس دنیا اور اس کی چیزوں کی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جو حیثیت ہے وہی حیثیت علومِ دنیا کی علومِ دین کے مقابلے میں ہوگی۔

اور یہ بات بالکل ظاہر اور واضح ہے کہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کی اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات ہے اور باقی سب ختم ہوجانے والی، وہ بے پرواہ اور بے نیاز ذات ہے اور باقی سب اسی کے محتاج، وہ موجود اور باقی سب معدوم و بے وجود۔

الغرض دونوں میں ذرہ برابر بھی برابری نہیں تو پھر ان کے علم میں بھی کوئی برابری نہ ہوگی۔ پس یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوگئی کہ علم دین کو موجود کہا جائے اور دیگر علوم کو معدوم و بے وجود۔جب دیگر علوم کی علومِ دین کے مقابلے میں یہ حیثیت ہے تو علم دین کے سامنے دیگر علوم علم کہلانے ہی کے مستحق نہیں، مقابلہ تو دور کی بات ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ ان کو علم نہیں بلکہ فن کہنا چاہئے، پیشہ کہنا چاہئے۔(27/1)

سوال: دین کا علم دنیاوی علوم سے افضل ہے اس کی مزید وضاحت کریں؟

جواب: بنیادی طور پر علم تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(الف) وہ علم جو حواسِ خمسہ (دیکھنا، سننا، چھونا وغیرہ) سے حاصل ہوں۔

(ب) جو عقل سے حاصل ہوں۔

(ج) جو وحی سے حاصل ہوں۔

الغرض محسوسات کا علم حس سے، معقولات کا عقل سے اور مغیبات (غیبی، قبر، جنت جہنم) کا وحی سے حاصل ہوتا ہے۔

سوال: تینوں قسم کے علم کے مراتب اور درجات کی وضاحت کریں۔

جواب: علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرۂ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں، ان کا علم نری عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں، مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواس خمسہ کام دیتے ہیں، وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دے دیتے ہیں، وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے۔ **(27/2)**

یہ بھی ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے **(27/3)**

مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی، اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا؟ یہ نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے، نہ عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لیے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ''وحی'' ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر، اسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو ''وحی'' کہا جاتا ہے۔

یہ بات ایک اور مثال سے شاید زیادہ واضح ہوگی، فرض کیجئے کہ میرے ہاتھ میں ایک پستول ہے، اسے آنکھ سے دیکھ کر میں اس کا سائز اور اس کی صورت معلوم کرسکتا ہوں، میں ہاتھ سے چھو کر یہ معلوم کرسکتا ہوں کہ یہ کسی ٹھوس چیز سے بنی ہوئی ہے، اس کا ٹریگر دبا کر میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس سے ایک گولی پوری قوت سے نکل کر دور گئی ہے، اس کی آواز سن کر مجھے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس سے ایک دھماکا پیدا ہوتا ہے، اور اس کی نالی کو سونگھ کر یہ پتہ لگا سکتا ہوں کہ اس میں سے بارود کی بو آرہی ہے، یہ ساری اطلاعات مجھے میرے ظاہری حواس یعنی آنکھ، ہاتھ، کان اور ناک نے فراہم کی ہیں۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسے کس نے بنایا؟ تو میرے یہ ظاہری حواس اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے، اس موقع پر میں عقل سے سوچتا ہوں تو عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ یہ پستول جس انداز سے بنا ہوا ہے، وہ خود بخود وجود میں نہیں آسکتا، یقیناً کسی کاریگر نے اسے بنایا ہے، وہ کاریگر نہ میری آنکھوں سے نظر آرہا ہے، اور نہ میرے کان اس کی آواز سن رہے ہیں، مگر اپنی عقل کے ذریعے مجھے یہ علم حاصل ہوگیا کہ اسے کسی کاریگر انسان نے بنایا ہے۔

اب ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہتھیار کا کونسا استعمال جائز اور کونسا ناجائز ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی میری عقل ایک حد تک میری مدد کرسکتی ہے، میں عقل سے سوچ سکتا ہوں کہ اس ہتھیار کے ذریعے کسی بے گناہ کو قتل کرنا بہت برا کام ہے، جس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کو بے گناہ کہا جائے اور کس کو مجرم؟ اور کون سا

مجرم ایسا ہے جس کی سزا میں اس پستول کو استعمال کر کے کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر اگر میں صرف عقل کی بنیاد پر غور کروں تو عقل مجھے الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً اگر ایک قاتل میرے سامنے ہے، جس نے کسی بے گناہ کی جان لی، اس کے بارے میں، میں عقل سے سوچتا ہوں تو کبھی عقل یہ کہتی ہے کہ اس قاتل نے ایک جیتے جاگتے انسان کو موت کی نیند سلا دیا، اس کی بیوی کو بیوگی کا زخم لگایا، بچوں کو بلاوجہ یتیم بنا کر انہیں باپ کی شفقت سے محروم کیا، اس لیے یہ مجرم اس لائق ہے کہ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار کر دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنا دیا جائے۔ لیکن دوسری طرف وہی عقل ایک دوسری دلیل دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ جس مقتول کو مرنا تھا وہ تو مر گیا، قاتل کو قتل کرنے سے نہ وہ واپس آ سکتا ہے، نہ اس کی بیوی بچوں کو ان کا محبوب واپس مل سکتا ہے، اس کے بجائے اگر اس قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا تو اس کے اور بچوں بچے مصائب کا شکار ہوں گے جن کا کوئی جرم نہیں ہے۔

یہ دونوں دلیلیں عقل ہی کے سہارے وجود میں آئی ہیں، اس لیے نری عقل کے بھروسے پر کوئی ایسا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے جس پر سب کی عقل مطمئن ہو جائے۔ کیونکہ عقل کا خارجی اثرات تعلیم، تربیت، معاشرہ، ماحول جن چیزوں نے مسلمات کا درجہ حاصل کر لیا ہے ان کے اثر سے آزاد ہو کر کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ **(28/1)**

یہ وہ موقع ہے جہاں نہ میرے حواس کوئی فیصلہ کن جواب دینے کے قابل ہیں، نہ میری عقل۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی درکار ہوتی ہے جو وہ اپنے پیغمبروں پر وحی نازل کر کے انسانیت کو فراہم کرتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کے رہنمائی کے لیے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لیے وحیٔ الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ **(28/2)**

الغرض

دنیاوی علوم کا مدار حس اور انسان کی محدود اور ناقص عقل پر ہے، انسان کا علم زمان و مکان سے مقید ہے، نہ کامل ہے نہ جامع ہے، اس کے بالمقابل دینی علوم کا مدار وحی پر ہے اور وحی اللہ تعالیٰ کا علم اور اللہ تعالیٰ کا علم کامل، مکمل، ظاہر، باطن ہر پہلو کو محیط جیسے کلیات کو جانتا ہے ویسے ہی جزئیات کو بھی، جسمیات و مادیات کے ایک ایک ذرہ سے وہ واقف ہے، ذہنیات و اخلاقیات کی باریک باریک باتیں اس پر عیاں ہیں، وہ ہر چیز کو اس کے وجود میں آنے سے پہلے اور اس کے ختم ہونے کے بعد بھی جانتا ہے۔

الغرض وحی الٰہی کو عقل انسانی سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے اسی سے علوم وحی اور علوم عقلی و مشاہداتی کی نسبتیں واضح ہوگئیں۔

مندرجہ ذیل دو کالمی چارٹ میں ان کو مختصر ذکر کیا جارہا ہے:

1	خالق کو ہی علوم کا حق	پیدا ہونے والے کو اپنے سے متعلق علم بنانے کا حق نہیں
	پیدا کرنے والے کو ہی پیدا کردہ چیز کے چلانے اور استعمال کرنے کا طریقہ اور اس کے متعلق علوم بنانے کا حق ہے۔	انسان مخلوق ہے تو اسے اپنی ذات سے متعلق علوم وضع کرنے کا حق نہیں جیسے اسے خود اپنی خلقت کا حق نہیں تھا اور اس میں وہ دوسرے کا مرہون منت تھا۔
2	خالق علوم کی رضامندی	عقل کے حوالے کیا جانا
	خالق کائنات کے علوم کے حصول سے اس کی مدد و نصرت اور تائید غیبی شامل حال ہوجاتی ہے جس سے نظام قدرت اس کے حق میں ہوجاتا ہے۔	عقلی علوم سے نتائج بھی عقل کے حوالے ہوجاتے ہیں، تائید غیبی اور خالق کی رضا کا حصول نایاب ہوتا ہے، جس سے نظام قدرت میں خلل پڑنے لگتا ہے بلکہ نظام قدرت مخالف بن کر نتائج دور کردیتا ہے، اور حاصل شدہ علوم بے فائدہ بن جاتے ہیں

3	دینی علوم کامل اور جامع ہیں	دنیاوی علوم ناقص ہیں
1)	اسلامی علوم خالق کائنات کی تعلیمات پر مبنی ہونے کی وجہ سے معاشرے کے تمام پہلوؤں کو محیط اور معاشرے کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے متوازن استعداد کے حامل ہوتے ہیں۔ (معاشیات کے متعلق اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ خواہشات سے بچا جائے اور ضرورتوں کو بھی اسراف کے بغیر سادگی سے پورا کیا جائے، اب جو وافر ہوا سے ناداروں پر خرچ کیا جائے تو معاشرے کے تمام طبقات کی ضروریات کا یکساں تکفل احسن اور یقینی ہوجاتا ہے)	ناقص عقل کی بنیاد پر بنائے گئے علوم اس اعتبار سے بھی ناقص ہیں کہ وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط نہیں ہوتے۔ اور یہ بات بھی مدنظر نہیں رکھی جاتی کہ اس علم کا زندگی کے دوسرے شعبوں پر کیا اثر پڑے گا۔ مثلاً علم معاشیات میں خواہشات اور ضروریات کے فرق کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ دنیا کے اسباب و وسائل خواہشات کے پورا کرنے کے لیے ناکافی ہیں اگر خواہشات کے پورا کرنے میں انسان کو لگا دیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسباب و وسائل کے حصول کی دوڑ میں مالدار اور طاقتور زیادہ وسائل پر قبضہ کرے گا اور کمزور و نادار ضروریات زندگی کے پورا کرنے سے بھی محروم ہو جائیں گے۔
2)	علوم سماویہ رب کائنات نے عطا کئے اور وہ ذات انسان کی دنیاوی ضروریات سے بھی باخبر ہے اور اخروی ضروریات سے بھی، لہٰذا یہ علوم دونوں ضرورتوں کے پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں	ناقص انسانی عقل کے سامنے انسان کی اخروی ضروریات تو کیا دنیاوی ضروریات بھی پوری طرح عیاں نہیں، لہٰذا ان کے تجربوں سے بنے علوم مرنے سے پہلے کی عارضی زندگی کی دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں تو وہ ان اخروی ضروریات کو کیسے پوری کریں گے جو نظروں سے اوجھل ہیں۔
3)	زندگی کے تمام شعبوں کے لیے جامع، مکمل ضابطہ حیات اور ان علوم سماویہ میں انسانیت کے ہر شعبے اور ہر میدان کے لیے مکمل رہنمائی کا وجود، اور کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی رہنمائی	ہر شعبے کے ہر حصے کے لیے الگ الگ نظام کی ضرورت اور وہ بھی نامکمل کہ ایک جگہ وہ نظام نافذ العمل کیا جائے تو دوسرے شعبوں میں اس کے نقصانات آنے لگ جاتے ہیں، اور خود اس شعبے کے

3)	اعلیٰ پیمانے پر موجود نہ ہو۔ (اسلامی علم تجارت، اسلامی علم زراعت، وغیرہ آج بھی اتنے جامع ہیں جتنے ابتداء میں تھے)	بہت سے پہلو تشنہ رہتے ہیں۔
4)	سماوی تعلیمات تمام انسانیت میں فرق نہیں کرتیں اور اس نے سب کے لیے یکساں نظام حیات اور اس سے متعلق علوم دیئے ہیں، ایسا نہیں کہ ایک قسم کے مسلمانوں کے لیے ایک قسم کا نظام اور اس کا علم دیا ہو اور دوسرے قسم کے مسلمانوں کے لیے دوسرا۔	ہر قوم کے تجربے کے مختلف ہونے سے اس کے لیے مختلف نظام کی ضرورت اور اس کا مختلف علم (پہلے آئی ایس او۔ 9000 یورپ کا بنایا ہوا نظام قابل عمل قرار دیا گیا اور اب جاپان کا جیرون مفید قرار دیا گیا)۔
5)	روح، روحانیت، آخرت، عمل دونوں کو سامنے رکھا جاتا ہے	جبکہ دنیاوی نظامی تعلیم میں صرف جسم، صرف مادیت، صرف دنیاوی معلومات کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔
4	**دینی علوم ناقابل تبدیل ہیں**	**دنیاوی علوم تبدیل ہوتے رہتے ہیں**
	تاقیامت غیر متزلزل اصول و علوم، یہ علوم انسانوں کے تجربوں سے تبدیل نہیں کئے جاتے بلکہ ان سے ہم آہنگی کے فقدان کی صورت میں انسانوں کو تبدیل ہو کر انسانوں کو اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔	انسان کے نئے تجربوں سے روز روز تبدیلی کی ضرورت پیش آتی ہے، آئے روز جدید تحقیق کے نام سے نئی نئی تبدیلیاں لائی جاتی ہیں۔
5	**دینی علوم آزمودہ ہیں**	**دنیاوی علوم غیر آزمودہ ہیں**
1)	اسلامی علوم اور تعلیمات سماویہ پر مبنی نظام حیات چودہ سو سال سے آزمودہ اور کامیاب، از منۂ ماضیہ میں انسانیت کو پوری طرح سے کامیابی سے ہم کنار کرتا چلا آرہا ہے، تاہم وہاں انسانیت کو نقصان سے دو چار ہونا پڑا جہاں اسے نظر انداز کر کے دوسرے طریقہ ہائے حیات اور ان سے متعلق علوم کو زیر عمل لایا گیا۔	ہر علم کو بننے کے بعد الگ سے آزمانے کے بعد انسانیت کے لیے اس کے مفید و نافع ہونے کا یقین اور نافع نہ ہونے کی صورت میں انسانیت ان سے اور ان کے بنانے والوں سے متنفر ہو جاتی ہے۔ (مثلاً اشتراکیت وغیرہ سے متعلق علوم اور اب سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق علوم)

2)	سماوی تعلیمات رب کائنات کی طرف سے تعلیم کردہ ہونے کی وجہ سے، ان میں تغیر و تبدل کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے جب کہ اس نے تاقیامت ان میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تو وہ انسانیت کی طرف سے نئی طبع آزمائیوں اور اس کی مد میں اٹھنے والے اخراجات سے مستغنی ہوتے ہیں اور سماوی ہونے کی وجہ سے اپنے نفع دینے میں وہ نئے ایجاد کردہ علوم سے زیادہ نافع ہوتے ہیں۔	آزمائش کے بعد عدم افادیت کے انکشاف پر ان نئے علوم کی ایجاد پر کی گئی انسانی محنت، کوشش و اخراجات اور توانائیوں کا بے پناہ ضیاع اور اس سے احساس ندامت کا پیدا ہونا۔
6	**دینی علوم نفع یقینی نقصان کچھ بھی نہیں**	**دنیاوی علوم احتمالی نفع یقینی نقصان**
1)	دینی علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو علم و حکمت کے ساتھ رحم و کرم کا بھی لامحدود سرچشمہ ہے ایک ایسے علام الغیوب ارحم الراحمین کے متعلق کیا ایک لمحہ کے لیے یہ تصور کرنے کی گنجائش پیدا ہوسکتی ہے کہ اس نے کوئی غلط قانون بنایا، ایسا غلط قانون جس کی وجہ سے اس کے بندے دکھ درد، رنج و کلفت میں مبتلا ہوگئے مسلمان ہو یا غیر مسلمان ہر وہ شخص جو خدا کو مانتا ہے یقینا اس تصور کی ہمت نہیں کرسکتا(29)	دنیاوی علوم کے موجد کا اس علم کے پڑھنے پڑھانے والوں کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ اس میں پڑھنے والوں کی خیرخواہی ہی کو مدنظر رکھا۔
2)	اسلامی علوم کی بنیاد اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور انسانیت کی خیرخواہی و ہمدردی و نفع رسانی ہے اور اسلام مال و دولت کی ہوس، مفاد پرستی و خودغرضی جیسی صفات کو نہ پسند کرتا ہے اور نہ ہی انہیں معاشرے کا حصہ بنانے کی اجازت دیتا ہے چہ جائے کہ ان صفات کو علوم و ترقی کی بنیاد قرار دیا جائے۔	مروجہ علوم کے وضع کرنے والوں کا اصول ہے کہ مال و دولت سے معاشرہ ترقی کرتا ہے اس کو یقینی بنانے اور اسے بڑھانے کے لیے مفاد پرستی و خودغرضی جیسی صفات کو ذریعہ بنانا ضروری ہے، چنانچہ تمام علوم کو مال و دولت کے حصول و خود غرضی و مفاد پرستی کی بنیاد پر وضع کیا جاتا ہے نہ کہ انسانی ہمدردی و خیرخواہی اور نفع رسانی کی بنیاد پر۔

3)	تربیت بھی اسلامی معاشرے کا ایک بنیادی عنصر ہے کیونکہ علوم سماویہ ہمہ گیر ہیں اس لیے، ان علوم کو حاصل کرنے والے کو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا حصول مفت میں ہوجاتا ہے، اس کے لیے الگ سے بہت زیادہ کوشش وسعی نہیں کرنی پڑتی۔	اور مروجہ علوم کی بنیاد مال و دولت کا حصول ہے اس لیے کوشش بسیار کے باوجود تعلیم سے تربیت کا فقدان اور اس کا حصول ناممکن ہے۔
4)	علم دین جتنا اور جس درجہ میں بھی حاصل ہو نفع سے خالی نہیں۔	جب کہ دنیا کا علم جب تک مکمل نہ ہو اور ایک خاص حد تک نہ سیکھ لیا جائے اس وقت تک اس کا کوئی فائدہ نہیں، اور آج کل تو تکمیل کے بعد بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا اچھی اچھی ڈگریوں والوں کو کوئی نہیں پوچھتا**(30)**
5)	دین کا علم مسائل کے حل کے لیے جو اسباب بتاتا ہے اس کے نتائج یقینی ہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ آگ ہو اور جلائے نہیں (جیسے ابراہیم علیہ السلام) اور پانی ہو اور ڈبوئے نہیں (جیسے موسیٰ علیہ السلام) اور چھری ہو اور کاٹے نہیں (جیسے اسماعیل علیہ السلام) لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کی یاد ہو اور اطمینان نہ ہو، تقویٰ ہو اور پریشانیاں دور نہ ہوں۔	دنیاوی علوم مسائل کے حل کے لیے جو اسباب بتاتے ہیں اس کے نتائج یقینی نہیں۔مثلاً: دوا ہوتی ہے شفا نہیں، ڈگری ہوتی ہے ملازمت نہیں وغیرہ۔
7	**دینی علوم خالق سے جوڑتے ہیں**	**دنیاوی علوم مخلوق سے جوڑتے ہیں**
	دین کا علم اپنے خالق اور احکم الحاکمین کے ساتھ تعلق اور رابطہ کو استوار رکھنے کا ذریعہ ہے اور اسی سے ان کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوتی ہے۔	جب کہ دنیاوی علم اپنے ہم جنس انسانوں میں زندگی گزارنے اور ان کے ساتھ تعلقات اور رابطہ رکھنے کا ذریعہ ہے۔**(31)**

8	دینی علوم سیکھنا سکھانا انتہائی آسان	دنیاوی علوم سیکھنے سکھانے میں مشکلات
1)	دین کا علم مسائل کے حل کے لیے ایسے اسباب بتاتا ہے جو ہر وقت ہر ایک کے بس میں ہیں یعنی اعمال، اذکار، دعائیں۔	جب کہ دنیا کا علم مسائل کے حل کے لیے ایسے اسباب اور وسائل کی راہنمائی کرتا ہے جو ہر ایک کے لیے ہر وقت ممکن نہیں جیسے حفاظت کے لیے، گارڈ، اسلحہ۔
2)	یہ علوم اپنی قوت رفعت وعظمت سے سیکھنے والے کو خود متاثر کرتے ہیں، جس کے لیے بڑی بڑی عمارتیں اور شاہانہ انداز کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برخلاف ان کی مساجد میں جو نماز کے بعد اس کام کے لیے خالی ہوتی ہیں، ان کی تعلیم دی جاتی ہے، (جیسا کہ اوپر گزرا کہ اسلامی معاشرے میں تعلیم و کتب خانے مساجد میں ہوتے تھے) اور معلم بھی عام انداز تعلیم سے طالب علم کو سکھا سکتا ہے اور طالب علم خود ان علوم کی عظمت سے متاثر ہو کر ان کے حصول کو ضروری اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان کو حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کرنے میں لگ جاتا ہے، جس سے حصول علم تیز و آسان ہوتا ہے۔	ان علوم کی عظمت کو قائم کرنے اور سیکھنے والے کو متاثر کرنے کے لیے کئی مصنوعی طریقوں کا استعمال ضروری ہے، سیکھنے سکھانے کا شاہانہ انداز اختیار کیا جانا، تعلیم کے لیے بڑی بڑی بلڈنگیں اور عمارتیں وجود میں لانے کی ضرورت اسی قبیل سے ہے، ان لوازمات کے بغیر یہ علوم سیکھے وسکھائے نہیں جا سکتے جس سے تعلیم سست روی کا شکار ہوتی ہے اور تعلیمی نتائج ناقابل حصول ہو جاتے ہیں۔
3)	تعلیم اور وسائل تعلیم کے اعلیٰ معیار ہونے کے ساتھ اس کے حصول کے مفت ہونے کی وجہ سے بہت کم اخراجات ہیں، اور کم اخراجات میں تیزی کے ساتھ جہالت کو ختم کیا جا سکتا ہے۔	مروجہ تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات اتنے زیادہ ہو جاتے ہیں کہ تعلیم عام انسان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے جس سے تعلیم کا تیزی سے عام ہونا ناممکن ہوتا ہے۔
4)	اسلامی علوم کو بلا معاوضہ پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے، ان کا معاوضہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔	پڑھانے اور سکھانے کا معاوضہ لیا جاتا ہے۔

5)	چونکہ ان علوم کو بغیر معاوضہ کے اللہ کی رضامندی کے لیے سکھایا جاتا ہے اور سیکھنے والے پر سکھانے والے کا احسان ہوتا ہے، اس لیے سکھانے والے کی عظمت طالب علم کے دل میں بہت زیادہ ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ محتاج بن کر اس سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی تگ ودو کرتا ہے۔	جب سیکھنے والوں سے معاوضہ لیا جاتا ہے تو ان کے دل میں سکھانے والوں کی عظمت نہیں رہتی تعلیم کو خریدنے والا بیچنے والے کو اپنا اور سکھانے والے سے زیادہ سے زیادہ سکھانے کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ اس نے اس کا معاوضہ خود سیکھنے کے لیے محنت نہیں کرتا کیونکہ سیکھنا اس کی ذمہ داری نہیں سکھانے والے کی ذمہ داری ہے۔
6)	اسلامی علوم (مثلاً: اسلامی تجارت، اسلامی زراعت وغیرہ) کے پڑھنے سے اسلام کے اوپر اعتماد اور بھروسہ قائم ہوتا ہے کہ الحمدللہ اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں کے لیے علوم مہیا کئے ہیں اور ہمیں کسی بھی شعبے میں غیروں کا محتاج نہیں کیا بلکہ وہ اپنی کامیابی کے لیے ہمارے علوم کے محتاج ہیں۔	غیروں کے علوم سیکھنے اور پڑھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید اسلام نے موجودہ ضرورتوں کے لیے کوئی علم اور کوئی راہنمائی مہیا نہیں کی ہے، اور ہم علوم وفنون میں غیروں کے محتاج و دست نگر ہیں، جو اسلامی خود داری کے خلاف ہے اور اس سے مسلمان میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے۔
9	**طبِّ دینی**	**طبِّ دنیاوی**
1)	دینی طب بیماری آنے سے پہلے اور بعد دونوں کا علاج بتاتی ہے**(32)**	جبکہ دنیاوی طب بیماری آنے کے بعد اس کا علاج بتاتی ہے
2)	طب دینی میں روحانی امراض تکبر اور حسد کینہ وغیرہ ان کی حقیقت اور علاج بتایا جاتا ہے، یہ وہ بیماریاں ہیں جن کے نقصانات متعدی ہیں۔ایک متکبر، ایک ظالم پورے خاندان، علاقے، اداروں، شہروں کے لیے وبال جان بن جاتا ہے	جبکہ دنیاوی طب (میڈیکل سائنس) میں صرف جسمانی امراض اور ان کا علاج بتایا جاتا ہے، جسمانی امراض کا نقصان لازمی ہے۔

خلاصہ

نظام تعلیم......الہامی ہدایت کی چھتری تلے	نظام تعلیم.....الہامی ہدایت سے آزاد
مقصد: اللہ کی رضاء، اللہ کا خوف، صالح بندہ بننا، خلیفۃ اللہ کا کردار ادا کرنا	مقصد: ملازمت، کیریئر، تفاخر
منزل: آخرت	منزل: دنیا/نفع عاجل
مادّیت اور روحانیت دونوں پر توجہ	توجہ: صرف مادیت پر/مادی اقدار
جسم و روح دونوں کی آسودگی	مطمع نظر: جسمانی حاجتوں کی تکمیل
معلّم و متعلّم میں تقدّس کا رشتہ، محبّت، بے غرض تعلق	معلم و متعلم میں دوستی کا رشتہ، غرض کا تعلق
استاد: روحانی باپ	استاد: محض ایک ملازمت پیشہ فرد
تطہیر افکار (پاکیزہ فکر)	نتیجہ: فکری انتشار
تعمیر کردار	کردار کی گراوٹ
احسن تقویم کی جانب	اسفل سافلین کی گہرائی میں
اخلاق حسنہ کی نشوونما	اخلاق رذیلہ کی نشونما
ایمان اور ٹیکنالوجی دونوں لیکن ٹیکنالوجی ایمان کے سائے تلے	محض ٹیکنالوجی کا حصول
رحمن کی بندگی	شیطان کی بندگی
دنیا کے لئے امن و عافیت کا پیغام	دنیا کے لئے بربادی کا سامان
قرآنی تہذیب	شیطانی تہذیب
اللہ کی غلامی	بندوں کی غلامی
عدل وقسط کا نظام	استحصالی نظام
حزب اللہ	حزب الشیطان(33)

سوال: یہ بات الحمدللہ واضح ہوگئی کہ دین کے علم کا مدار وحی پر ہے اس وجہ سے وہ دنیا کے ان علوم سے بہت اعلیٰ و افضل ہے جن کا مدار حس اور عقل/تجربہ پر ہے اور قرآن وحدیث میں جو علم کے فضائل آئے ہیں وہ علم دین کے ہیں دنیاوی علم کے نہیں، کیا اس بات کے

قرآن وحدیث سے دلائل دیے جاسکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! قرآن وحدیث میں اس کے بہت سارے دلائل ہیں:

1. اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا (روم: 7) (یہ لوگ دنیا والی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں) وھم عن الاخرۃ ھم غفلون (اور وہ آخرت سے غافل ہیں) یہاں جن لوگوں کے حق میں لا یعلمون فرمایا ان ہی کے حق میں یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا بھی فرمادیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے تصرفات کو نہ جاننا اور اس کی معرفت حاصل نہ کرنا یہ جہالت ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل نہ ہو اور دنیاوی زندگی کے آلات اور اسباب کو جانتے ہوں، نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہوں، دنیاوی ترقی میں آگے بڑھ گئے ہوں اور مال جمع کرنے کے طریقوں سے واقف ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو نہ جانتے ہوں اور آخرت سے غافل ہوں (جہاں دائمی زندگی ملے گی، جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں نے دی ہے) تو ایسے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔(34)

2. نیز قرآن کریم میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (بقرۃ:113)

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ یہ سب (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔اسی طرح وہ (مشرکین) جن کے پاس کوئی (آسمانی) علم ہی سرے سے نہیں ہے، انھوں نے بھی ان (اہل کتاب) کی جیسی باتیں کہنی شروع کردی ہیں۔

چنانچہ اللہ ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں یعلمون وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی علم وحی ونبوت ہی کے معنی میں کیا ہے، ان آیتوں سے آج کے رواجی ''علوم وفنون'' اور اسکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں کی ''تعلیم'' پر استدلال کرنا کس قدر ظلم، قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔(35)

3. بخاری شریف کی مشہور شرح فتح الباری میں ہے:

علم سے مراد شریعت کا علم ہے جس سے مکلف پر عبادات ومعاملات کے متعلق واجب دینی امور کا علم، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم، اسی طرح مکلف پر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے اور واجب الاحتراز امور کا علم حاصل ہو سکے۔ جس کا مدار تفسیر، حدیث، فقہ پر ہے۔(36)

4. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ۔ (بخاری، ترجمۃ الباب فوق الرقم 68)

علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے۔

تشریح: بخاری شریف کے مشہور شارح علامہ بدرالدین عینیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(علم معتدبہ ومعتبر وہی علم ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) سے تعلیم وتعلم کے طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، سو اس سے معلوم ہوا کہ علم کا اطلاق صرف علم شریعت پر ہوتا ہے۔ اسی لیے اگر کسی شخص نے علم والوں کے لیے مال کی وصیت کی تو وہ مال صرف تفسیر وحدیث اور فقہ کے علماء ہی کو دیا جائے گا۔(37)

5. ایک حدیث میں ہے:

ان من أشراط الساعة ان یرفع العلم ویثبت الجهل (38)

قیامت کی علامت میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا جہالت آجائے گی

اس روایت اور اس طرح کی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربِ قیامت میں علم اٹھ جائے گا، حالانکہ دنیوی علوم وفنون میں جتنی ترقی اس دور میں ہے اتنی اس سے پہلے کبھی نہ تھی اور مستقبل میں مزید ترقی ہی کا امکان ہے البتہ علم دین پہلے کی نسبت روز بروز کم ہوتا جارہا ہے، اسباب علم کی فراوانی، مطبوعات کی کثرت اور تصانیف کی بھر مار کے باوجود علم کی حقیقت اور اس میں گہرائی بہت تیزی سے زوال پذیر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ احادیث میں صرف ''علم دین'' کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے۔(39)

6. علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

اہل علم ہمیشہ علم سے علم شرعی و ما ینتفع بہ مراد لیتے ہیں، علم کلام اور اس جیسے دوسرے علوم ہرگز مراد نہیں لیتے۔ چنانچہ امام شافعیؒ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''جو شخص روز قیامت اللہ کے دربار میں بڑے سے بڑا گناہ لے کر حاضر ہو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو علم کلام لے کر آئے۔'' جب ان حضرات کی رائے اپنے زمانہ کے کلام کے بارے میں تھی (جو قدرے بہتر تھا) تو آپ اس علم کلام کا اندازہ خود ہی لگا لیں جو فلاسفہ کے غلط عقائد سے مزین بے ہودہ دلائل سے بھرا ہوا ہو۔ یہ بات علامہ شامیؒ اپنے زمانہ کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں جو ہمارے زمانے کے اعتبار سے بہت بہتر تھا اب ہم اپنے زمانے کے بارے میں خود غور کرلیں۔(40)

سوال: حدیث میں ہے (اطلبوا العلم ولو بالصین) علم حاصل کرو اگرچہ اس کے لیے تمہیں چین ہی جانا پڑے۔ اور چین میں اس وقت دین کا علم تو نہ تھا صرف دنیا کا علم تھا دین کے علم کا مرکز تو مدینہ تھا، لہٰذا معلوم ہوا اس حدیث میں جس علم کے حاصل کرنے کی ترغیب ہے وہ دنیا کا علم ہے۔

جواب: حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔(41)

اور اگر ثابت بھی ہو تب بھی ان لوگوں کا مدعا اس سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے لفظ

''وَلَوْ'' پرنظرنہیں کی۔ یہ لفظ فرض کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض چین میں بھی علم ہوتو وہاں سے بھی کوشش کر کے حاصل کرنا چاہیے۔ اور فرض اسی چیز کو کیا جاتا ہے جو معدوم ومستبعد ہو، موجود کوفرض نہیں کیا جاسکتا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد اس حدیث سے وہی ہے جو چین میں اس وقت موجود نہ تھا۔ اس لیے بطور فرض کے فرمارہے ہیں کہ اگر وہاں بھی ہوتو حاصل کرو اور وہ علم دین ہی ہے۔ ورنہ اگر علم کو ایسا عام کہا گیا کہ دنیوی علم بھی اس میں داخل ہو گیا تو ایک بھنگی اور چمار کو بھی علم والا کہنا چاہیے کیونکہ اس کو بھی دنیا کا ایک علم حاصل ہے، جو کام وہ کرتا ہے اس کو خوب جانتا ہے اور اگر آپ ان کاموں کو بھی علم میں داخل کر لیں گے تو پھر آپ کی خاطر سے ہم انگریزی کو بھی اس میں داخل کر لیں گے۔

خیر جانے دیجیے۔ ہم لفظ وَلَوْ سے بھی استدلال نہیں کرتے مگر ہم کہتے ہیں ''اطلبوا العلم ولو بالصین'' میں تو صراحت نہیں کہ اس سے کون سا علم مراد ہے، اب شریعت کی دوسری نصوص سے اس کو دریافت کیا جائے۔

بس علم وہ ہے جس کو شریعت علم کہتی ہے (جو شریعت کی نگاہ میں علم نہیں اس کو علم نہیں کہا جائے گا اور شریعت کی نگاہ میں کیا علم ہے کیا نہیں یہ شریعت جاننے والے بتائیں گے) اور شریعت کے جاننے والوں میں ایک شیخ سعدی بھی ہیں۔

- وہ فرماتے ہیں

''علمے کہ راہِ حق ننماید جہالت است''

یعنی جو علم اللہ سے دور کردے وہ علم نہیں جہالت ہے۔

- حدیث شریف میں بھی آتا ہے:

إنّ من العلم جهلا (42) (کہ بعض علم بھی جہالت ہوتے ہیں۔)

- اور حدیث میں ہے:

أَلاَ إن الدنيا ملعونة وملعون ما فيها إلاّ ذكر الله وما والاه وعالم اومتعلم۔ (43)

دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون (اللہ کی رحمت سے دور ہے) مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جو اس کے قریب ہو اور عالم اور طالب علم۔

معلوم ہوا کہ وہ چیز جو خدا سے قریب نہ کرے وہ دنیائے ملعونہ ہے اس میں ایسے علوم بھی داخل ہیں (جو انسان کو اللہ سے دور کر دیں)۔(44)

الغرض مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ (اطلبوا العلم ولو بالصین) میں جس علم کی تحصیل کا حکم ہے اس سے مراد علم دین ہے اور چین کا ذکر صرف بعد مسافت میں مثال کے طور پر ہے۔ عام محاورے میں اس قسم کے کلام سے مسافت کا بعد بیان کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ کسی خاص مقام کی تعیین۔ اور مقصد یہ ہے کہ علم دین کی تحصیل میں خواہ کتنا ہی طویل سفر کرنا پڑے اور کتنی ہی مشقت برداشت کرنا پڑے اس فریضہ کے حصول میں وہ کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان کبھی بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں غیروں کے علوم وفنون کا محتاج نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو کسی دوسرے کا محتاج اور دست نگر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی صحابی کو نہیں بھیجا کہ جا کر روم وفارس (جو اس زمانے کی مادی ترقی کے سرخیل تھے) سے جدید وترقی یافتہ علوم وفنون سیکھ کر آؤ۔ صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ یہودیوں کی زبان سیکھیں، وہ صرف ترجمانی کے لیے تھا، کیونکہ یہودی آپ علیہ السلام سے تورات کی تعلیمات کے متعلق دھوکہ کرتے تھے،(45) اور آپ نے فرمایا: "من علم لغة قوم أمن مكرهم" (جو کسی قوم کی زبان سیکھے وہ ان کے مکر سے بچ سکتا ہے) البتہ تمام تاریخ نبوی میں صرف دو صحابہ کا واقعہ آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو باقاعدہ شام کے شہر جرش بھیجا تاکہ وہ وہاں سے دبابے، منجنیق اور ضبور کی صنعت سیکھ کر آئیں۔ جرش شام کا مشہور صنعتی شہر تھا اور ضبور، دبابے ہی کی طرح کا ایک آلہ تھا جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے، چنانچہ یہ دونوں صحابی غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں اسی لیے شریک نہ ہو سکے کہ وہ ان دنوں شام میں یہ صنعت سیکھ رہے تھے۔(46)

یعنی ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف دو کو بھیجنا اور وہ بھی صرف آلات حرب کے متعلق سیکھنا ملتا ہے، انسانی بود و باش اور وسائل زندگی، معاشرے کی تعمیر و ترقی کے متعلق غیروں سے سیکھنے کی سنت نبوی سے کوئی ہدایت نہیں ملتی۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ میرے صحابہ روم و فارس اور ان جیسی دیگر سپر پاوروں اور حکومتوں سے لڑیں گے جن کی باقاعدہ تربیت یافتہ فوجیں ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عرب قبائل کے لوگ تھے، قبائل پر دشمن حملہ کرے تو اس کا مقابلہ بخوبی کر لیتے ہیں، انہیں علاقائی جغرافیائی صورت حال کا ادراک ہوتا ہے، لیکن دوسرے اور دور دراز کے ملکوں سے لڑنے کے لیے زیادہ مہارت و جنگی حربوں اور بہتر حکمت عملی سے باخبر ہونا ضروری ہوتا ہے، اس سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو غیروں کے علوم کا محتاج نہیں بنایا کیونکہ ان کے علوم اللہ تعالیٰ کے علوم کے مقابلے میں صفر ہیں اور ان کے تابع ہیں، انہیں صرف اللہ تعالیٰ کے علوم سے استفادہ کرنا اور ان ہی کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا سکھا کر انہیں آزاد و خود مختار اور علوم و فنون میں خود کفیل بنایا۔

یہ راستہ زیادہ بہتر، آسان اور نتیجہ خیز ہے اس لیے کہ جیسے آج کل مسلمان علوم و فنون سیکھنے غیروں کے پاس جا رہے ہیں لیکن انہیں تمام علوم سے آراستہ نہیں کیا جاتا، استاد اگر مخلص ہو تو اس کی کوشش یہ رہتی ہے کہ میرا شاگرد مجھ سے آگے نکل جائے اور غیر مخلص استاد یہ چاہے گا کہ سارے شاگرد مجھ سے پیچھے رہیں، لہٰذا ہمارے پاس جب کُل شریعت کا علم ہے تو غیروں سے جزء کو سیکھنے کے محتاج نہیں، کل اور اصل میں جُزء اور تابع بھی آجاتا ہے جب کہ جُز میں کُل نہیں آتا، لہٰذا اگر ہم جزء سیکھیں گے تو کُل اور اصل سے تو محرومی ہو جائے گی۔(47)

نوٹ: اس ساری تفصیل سے دنیاوی علوم کو ناجائز یا حرام بتانا مقصود نہیں صرف یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ قرآن و حدیث میں جو علم کے فضائل آئے ہیں ان کو دنیاوی علوم پر فٹ نہ کیا جائے، دنیاوی علوم سے نابلد لیکن علومِ وحی کے جاننے والوں کو جاہل ان کے مقابل میں

دنیاوی علوم کے جاننے والوں کو پڑھا لکھا نہ سمجھا جائے۔اعزاز واکرام،احترام وعظمت میں دنیوی علوم والوں کو دینی علوم والوں پر ترجیح نہ دی جائے۔

رہا دنیاوی علوم سیکھنا تو ضرور سیکھیں،لیکن علم معاش (دنیاوی زندگی کو سنوارنے کا علم) کے ساتھ علم معاد (آخرت کی حقیقی،ابدی زندگی کو سنوارنے کا علم) سے غفلت نہ برتیں،موجودہ دور کے سارے المیوں کی جڑ اور بنیاد ہی یہی ہے کہ ہم دنیاوی زندگی کو سنوارنے بنانے کا علم برسوں حاصل کرتے ہیں لیکن جس علم سے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی سنورتی ہے اس کو نہیں سیکھتے، یہی شکوہ ہم سے ہمارے اللہ کرتے ہیں،فرماتے ہیں:

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ۔

(روم:7)

یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے (محض) بے خبر ہیں۔

قرآن مجید ایک نسخۂ شفا ہے،اس لیے اس کی نظر ان امراض پر بھی رہتی ہے جو بنی نوع انسان کی فکری اور عملی صلاحیتوں کو برباد کرتے رہتے ہیں،ایک مہربان طبیب کی طرح اس کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی مہلک بیماریوں کی نشاندہی کرتے اور اس سے بچنے کے طریقوں سے بھی خبردار کرے۔

آیت بالا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک ایسے خطرناک مرض سے ہوشیار کیا ہے کہ جو اس مرض میں مبتلا ہوا، وہ قلب روشن اور چشم بینا سے محروم ہوگا اور اسی سے بے بصری اور کور باطنی نے ہمیشہ اس کے لیے اس پر حق وصداقت کے دروازوں کو بند کر دیا۔

اس بیماری کی پہلی منزل یہ ہے کہ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (سورہ روم:7) یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔

یعنی انسانی علم صرف دنیاوی زندگی کی اوپری باتوں تک محدود ہو جائے اور اس سے آگے کی منزل سے وہ بے فکر ہو جائے۔

بلاشبہ جب تک انسان اس عالم رنگ وبو میں ہے،اس کو اپنی انفرادی اور اجتماعی ضروریات

سے متعلق اس کائنات کا علم ضروری ہے اور یہ ہرگز کوئی غلط بات نہیں ہے لیکن شکوہ تو اس وقت ہے کہ جب انہیں چند معلومات کو اپنی زندگی کا مقصود قرار دے لیا جائے اور علم وفضل کا معیار انہیں اوپری باتوں کو مان لیا جائے۔

قرآن مجید انسان کی اس کم ہمتی، کوتاہ بینی اور گراوٹ پر اعتراض کرتا ہے، اس کے نزدیک انسان کا منصب اس سے کہیں زیادہ عزم وہمت اور بلندی کا طالب ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگئ داماں بھی ہے

آج دنیا کی چھوٹی اور بڑی تعلیم گاہوں کا جائزہ لیا جائے يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کی پوری تفسیر سامنے آجائے گی، ان درسگاہوں میں وہ سب کچھ ملے گا، جو انسان کی اوپری زندگی سے متعلق ہے، انسانی زندگی میں سب سے قیمتی چیز اس کی صحت وتندرستی ہے، آپ کو طب یونانی کے مدارس اور میڈیکل کالجوں میں انسان کے ایک ایک عضو کی بیماریوں اور اس کے نئے نئے طریقہ علاج کے متعلق انتہائی قیمتی سامان ملے گا، معاشی زندگی کو علم وفن کی حیثیت سے سدھارنے کے لیے بے شمار نظامہائے تعلیم نظر آئیں گے، یہ صنعتی کالج ہے اور اس سے متعلق بے شمار شعبہ جات ہیں، یہ زرعی درسگاہ ہے، یہ بھی زراعت کی ترقی کے لیے اپنے پاس گوناگوں پروگرام رکھتی ہے، یہ عام اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہیں، یہاں جغرافیہ، تاریخ، حساب، زبان، منطق، فلسفہ، سائنس، سیاسیات، علم نباتات، علم الحیوانات غرض ہر شعبہ زندگی کے متعلق آپ کو تعلیم کا انتظام ملے گا، کتب خانوں میں چلے جایئے، بالکل یہی نقشہ وہاں بھی نظر آئے گا لیکن علم وفن کے اس دور میں علم کی طاقت پرواز اس سے آگے نہیں ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کو آخر اس علم وفن میں کیا کمی نظر آتی ہے؟ اور وہ انسان کو اس سے آگے کہاں دیکھنا چاہتا ہے درحقیقت اسی سوال کا جواب ہے جس کو آیت بالا میں انسانی بیماری کو اس کی دوسری منزل قرار دیا جاسکتا ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ اور

آخرت سے محض بے خبر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور اس کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد آخرت کے یقین پر قائم ہے، اگر یہ یقین متزلزل ہو جائے تو انسانی اعمال کے نتائج کا ریشہ ریشہ بیخ و بن سے اکھڑ جائے۔

قرآن مجید کو موجودہ انسانی علم پر یہی اعتراض ہے کہ اس نے اپنے نظام تعلیم میں زندگی کے ہر پہلو کا اہتمام کیا ہے اور اس کے لیے ہر طرح کی جدوجہد کی ہے لیکن تعلیم کا وہ شعبہ جس سے زندگی کی حقیقی راہ کا سراغ ملتا ہے جس سے انسانی قلوب روشن ہو جاتے ہیں جس سے انسان اپنی منزل مقصود تک پہنچتا ہے یہی نہیں کہ انسان اس علم سے ناواقف ہے بلکہ بے فکر ہے۔

بے شبہ آج دنیا کے مختلف گوشوں میں دینی مدرسوں اور خانقاہوں کے اندر کچھ چراغ جلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان چراغوں کو ان ہواؤں سے محفوظ رکھیں، جو ان کو بجھانے کی فکر میں ہیں لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہمارا عمومی نظام تعلیم و تربیت کس سمت جا رہا ہے؟ ہمارا عام معاشرہ اسی عمومی نظام کے ماتحت بنتا ہے اور یہ عمومی نظام تعلیم و تربیت آخرت کے تصور سے خالی اور محروم ہے پھر انسانی زندگی میں سدھار آئے تو کیسے آئے؟ انسان کے موجودہ نظام تعلیم کے اس بنیادی خرابی کے دو تکلیف دہ نتائج ہیں۔

پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ علم و فن کی اس روز افزوں ترقی کے باوجود انسانی زندگی سے امن اور چین گم ہے، اخلاق فاضلہ حرف غلط کی طرح مٹ گئے ہیں، حقوق اور واجبات کا احساس نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کے موجودہ علم و فن میں کل کے احتساب کا کچھ تصور نہیں ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جو نظام تعلیم و تہذیب فکر فردا سے خالی ہے وہ انسانی اخلاق کو ہرگز نہیں سدھار سکتا۔

دوسری سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس آج کے بعد اگر ایسا کل آیا، جس میں انسان کو اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہونا اور اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے اور ہمارے عقیدہ کے

مطابق یقیناً ایسا ہونا ہے تو اس وقت یہ نظام تعلیم اور یہ سلسلہ تہذیب وتمدن انسان کے حق میں کیسا غیر مفید ثابت ہوگا، اس لیے کہ ہمارے موجودہ سرمایہ علم میں اس دن کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ موجودہ نظریہ علم پر قرآن مجید کی اس تنقید پر غور کرنا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اپنی جیب سے مقدور کے مطابق چند سکوں کو نکال کر، دینی مدارس کے حوالے کر دینا ان کے لیے کافی ہے، حالانکہ صورتحال ہرگز ایسی نہیں ہے، اگر ان کو آخرت پر یقین ہے اور اپنی ذات کے ساتھ اور اپنی اولاد کے ساتھ صحیح محبت ہے تو ایسے ماحول سے کم ازکم اتنا تعلق ضرور رکھنا چاہیے کہ آخرت کی منزلیں آسان ہوں اور روز جزاء کی شرمساری سے نجات ملے۔

- اکبر بھی یہی رونا روتے ہیں:

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندہ ناچیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو (48)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کرگئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی مر گئے
انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں
سبھی یہ پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے
نہیں آتا خیال ان کو فکر اللہ کتنی ہے

نیز یہ بھی سوچیں کہ اگر کل قیامت میں ہم جامِ کوثر اور حضور کی شفاعت کی امید لیے حضور کے

پاس پہنچیں اور حضور ہمارے سوال سے پہلے ہم سے یہ سوالات کریں۔

میرے علم سیکھنے کے لیے بلانے والوں کی درخواست پر کیا جواب دیا تھا یہ سوال ہوسکتا ہے!

- اپنے بچوں کو لمبی لمبی نظمیں (Poems) سکھائیں، کچھ دعائیں میں نے بھی سکھانے کو کہا، تھا کیا میں تمہارے بچوں کا خیر خواہ نہیں تھا؟ یہ سوال ہوسکتا ہے۔
- فیس مساج (Face Massage) فیس پالش (Face Polish) اور (Skin) کے لیے گھنٹوں بیوٹی پارلر (Beauty Parlour) اور سیلون (Saloon) میں اپنی باری کا انتظار کرنے والو! میں بھی تو دلوں کی صفائی کا نسخہ (قرآن حدیث، علم دین) لایا تھا اس کو سیکھنے کے لیے کتنا وقت نکالا؟ یہ سوال ہوسکتا ہے۔
- انگلش میگزین فر فر پڑھنے سمجھنے اور اپنے بچوں کو پڑھانے والو! میری عربی زبان میں کیا نقص تھا؟ پورا قرآن نہیں کم از کم نماز میں پڑھی جانے والی سورتیں دعائیں ان کا ترجمہ اور مفہوم ہی سیکھ لیتے۔ یہ سوال ہوسکتا ہے.....
- نیوٹن (Newton) آئسٹائن (Ienstien) ایڈسن (Edison) کے حالات ان کے کارناموں کا جاننا علم، نہ جاننا جہالت سمجھنے والو! میری سیرت، میرے صحابہ کے کوئی کارنامے نہیں تھے ہمارے حالات زندگی پڑھنے سیکھنے سے کیا بیر تھا؟ یہ سوال ہوسکتا ہے.....
- حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کے لیے گھنٹوں خبرناموں اور اخباروں کے لیے وقت نکالنے والو! میرے خبرنامہ (قرآن حدیث جن میں جنت جہنم قبر حشر کے حالات، وہاں کی خبریں ہیں) میں کیا جھوٹ تھا کیا ان خبروں سے آگاہی اور واقفیت تمہاری ضرورت نہ تھی؟ یہ سوال ہوسکتا ہے۔
- پارکوں میں، ہوٹلوں میں، تفریح گاہوں میں، دوستوں کی محفلوں میں، شادی بیاہ کی تقریبات میں، اپنی زندگی کے قیمتی گھنٹوں کو ضائع کرنے والو! مشغولیت، مصروفیت، وقت کی قلت، گھر کے کام کاج، بیماری، بڑھاپے کے اعذار کا بہانہ ایک صرف میرے علم دین

کے لیے رہ گیا تھا؟ یہ سوال ہو سکتا ہے......ایک لمحہ کے لیے سوچئے غور کریں۔

لہٰذا اگر آپ علوم نبوت کو سینے سے لگا کر آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں اور شفاعت کے طلب گار رہیں۔ تو دنیا کے علوم کے ساتھ دین کا علم بھی ضرور سیکھیں اور دنیا کا علم شرائط کے ساتھ سیکھیں۔

المنير مركز تعليم وتربيت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

باب:3

دنیاوی علم حاصل کرنے کی شرائط

سوال: دنیاوی علوم حاصل کرنے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا وژن، اخلاص اور دانش اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم اپنے تعلیمی اداروں کو دارارقم اور صفّہ کا تسلسل قرار دیں۔ اپنے قبلہ کو درست کرنے اور بعدازاں اسے درستگی پر قائم رکھنے کے لئے۔ یہ عمارت کی پہلی اور بنیادی اینٹ ہے۔ یہ کام ہمیں وہ بنیادی رہنمائی فراہم کردے گا کہ جس کی روشنی میں تمام تر فیصلے اور ساری کی ساری پالیسیاں بنانا نہایت آسان ہوگا اور قلبی اطمینان کا باعث بھی۔ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے اور کیوں کرنا ہے اور کیوں نہیں کرنا، بس یہی نکتہ فیصلے کا معیار بن جائے گا۔ اس کے بعد ہمیں چاہئے کہ دنیاوی (1) جائز علوم (نہ کہ ممنوع جیسے جادو، مجسمہ سازی، میوزیکالوجی وغیرہ) کو (2) اسلام کی برتری مسلمانوں کی نفع رسانی اور خدمت کے لیے بقدرضرورت بوقت ضرورت ضرور سیکھیں۔ (3) لیکن آسمانی اور دینی علوم کی برتری ذہن میں رکھتے ہوئے۔ (4) دین کا جتنا علم سیکھنا فرض ہے اس کو سیکھتے ہوئے۔ (5) دینداروں کی صحبت کو اختیار کرتے ہوئے۔ (6) اکتسابی علم کے ذریعے حاصل ہونے والی ٹیکنالوجی، الہامی علم کے تابع بناتے ہوئے کیونکہ اکتسابی علوم اگر الہامی نظم وضابطہ کے پابند نہ ہوں تو یہ ترقی، فساد اور انتشار کا باعث بنے گی۔

لیکن جب دنیوی علوم کے بارے میں اندشیہ ہو کہ برے ماحول کی وجہ سے وہ دین، اخلاق واعمال، حیا شرم اور اسلامی تہذیب واقدار کی قیمت اور عوض بن جائیں گے۔ جس کے نتیجہ میں مذہب اور مذہبی طبقہ سے بیزاری مسجد اور اسلامی شعائر سے دوری، علماء ومصلحین سے نفرت وعداوت پیدا ہوجائے گی تو پھر اس وقت خود کو اور اپنی نسل کو اس سے بچانا چاہئے۔

جس طرح مہلک امراض اور مفسد آب و ہوا سے اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح ایسے وقت مذکورہ تعلیم اور کلچر سے بھی بچنا چاہئے۔

● علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

> اہل علم ہمیشہ علم سے علم شرعی و ما یتنفع بہ مراد لیتے ہیں، علم کلام اور اس جیسے دوسرے علوم ہرگز مراد نہیں لیتے۔ چنانچہ امام شافعیؒ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''جو شخص روز قیامت اللہ کے دربار میں بڑے سے بڑا گناہ لے کر حاضر ہو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو علم کلام لے کر آئے۔'' جب ان حضرات کی رائے اپنے زمانہ کے کلام کے بارے میں تھی (جو قدرے بہتر تھا) تو آپ اس علم کلام کا اندازہ خود ہی لگا لیں جو فلاسفہ کے غلط عقائد سے مزین بے ہودہ دلائل سے بھرا ہوا ہو۔ یہ بات علامہ شامیؒ اپنے زمانہ کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں جو ہمارے زمانے کے اعتبار سے بہت بہتر تھا اب ہم اپنے زمانے کے بارے میں خود غور کرلیں۔**(49)**

اس کے باوجود بھی اگر کوئی صرف رواج سے متاثر ہو کر ان علوم کو سیکھتا ہے اور اپنی اولاد کو سکھاتا ہے تو یہ درحقیقت دنیا و آخرت کا خسارہ مول لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ۔ (انعام 151)

اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو۔

اس آیت میں قتل اولاد کا جرم اور سخت گناہ ہونا جو بیان کیا گیا ہے وہ ظاہری قتل کرنے اور مار ڈالنے کے لیے تو ظاہر ہی ہے، اور غور کیا جائے تو اولاد کو تعلیم و تربیت نہ دینا جس کے نتیجہ میں خدا اور رسول اور آخرت کی فکر سے غافل رہے، بداخلاقیوں اور بے حیائیوں میں گرفتار ہو یہ بھی قتل اولاد سے کم نہیں، قرآن کریم نے اس شخص کو مردہ قرار دیا ہے جو اللہ کو نہ پہچانے اور اس کی اطاعت نہ کرے، آیت أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ میں اسی کا بیان ہے، جو لوگ

اپنی اولاد کے اعمال واخلاق کے درست کرنے پر توجہ نہیں دیتے ان کو آزاد چھوڑتے ہیں یا ایسی غلط تعلیم دلاتے ہیں جس کے نتیجہ میں اسلامی اخلاق تباہ ہوں وہ بھی ایک حیثیت سے قتل اولاد کے مجرم ہیں۔ اور ظاہری قتل کا اثر تو صرف دنیا کی چندروزہ زندگی کو تباہ کرتا ہے، یہ قتل انسان کی اخروی اور دائمی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔

● حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مغربی نظام تعلیم درحقیقت مشرق اور اسلامی ممالک میں ایک گہرے قسم کی لیکن خاموش نسل کشی (Genocide) کے مترادف تھا، عقلاء مغرب نے ایک پوری نسل کو جسمانی طور پر ہلاک کرنے کے فرسودہ اور بدنام طریقہ کو چھوڑ کر اس کو اپنے سانچے میں ڈھال لینے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لیے جابجا مراکز قائم کئے جن کو تعلیم گاہوں اور کالجوں کے نام سے موسوم کیا اکبر نے اس سنجیدہ تاریخی حقیقت کو اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں بڑی خوبی سے ادا کیا ہے ان کا مشہور شعر ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ایک دوسرے شعر میں انہوں نے مشرقی اور مغربی حکمرانوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے۔

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اس سے کئی برس بعد اقبال نے (جنہوں نے اس نظام تعلیم کا خود زخم کھایا تھا) اس حقیقت کو زیادہ سنجیدہ انداز میں اس طرح پیش کیا۔

مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی
کہ ازوے روح قومے می تواں کشت

تعلیم جو قلب ماہیت کرتی ہے، اور جس طرح ایک سانچہ توڑ کر دوسرا سانچہ بناتی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے تو اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کاہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

وہ مغرب کے اس نظام تعلیم کو دین ومروت واخلاق کے خلاف ایک سازش قرار دیتے ہیں۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے
فقط دین و مروت کے خلاف

اقبال کی نگاہ میں امت کے ذہنی انحطاط کی ایک وجہ عہدوں، ملازمتوں، اوراونچی کرسیوں کو تعلیم کا مقصد سمجھنا بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بے مقصد افراد کے لیے علم دوائے نافع نہیں سم قاتل وقاطع ہے اور ایسی رزق سے موت بہتر ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرت انسان کے لیے اسکا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق ومحبت کے لیے علم و ہنر موت (50)

●والدین اور سرپرستوں سے دردمندانہ گزارش

اس وقت ہمارے ملک عزیز میں مختلف قسم کے تعلیمی نظام جاری ہیں۔ہم انہیں مختلف

عنوانات سے جانتے ہیں۔سرکاری اسکول اور کالج،گلی، محلے کی سطح پر پھیلے ہوئے لاکھوں کی تعداد میں عام نجی تعلیمی ادارے ،مشنری اسکول ،کیڈٹ اسکول اور کالجوں کا نیٹ ورک، امراء (ایلٹ کلاس) کے تعلیمی ادارے وغیرہ وغیرہ۔

ان اداروں کے درمیان موازنہ کرنے کا رجحان عام ہے۔موازنہ کرنے کے لئے بالعموم درسگاہوں کی ظاہری حالت ،مالی پوزیشن ،فہرست مضامین طریقہ تدریس ، پروگرام کا دورانیہ،اساتذہ کا معیار، تربیت اساتذہ اور تنخواہوں اور فیسوں میں تناسب وغیرہ کو دیکھا جاتا ہے۔ہماری نظر میں تقابل کے لے ان سے زیادہ اہم اور بنیادی اہمیت کے حامل دو اور اہم اشاریئے ہیں۔جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

(1) تصوّرِ تعلیم ......یعنی ادارے میں کل تعلیمی عمل کے پیچھے اصل فلسفہ کیا ہے؟ یہ ساری بزم آخر کیوں سجائی گئی ہے؟اس ''کیوں'' کا باقاعدہ، باضابطہ اور تحریری جواب ہونا چاہیئے۔ یہ تعلیمی اداروں کے درمیان موازنہ کرنے میں اور انہیں پرکھنے کے لے کلیدی کردار ادا کرتا ہے ۔گویا تعلیمی ادارے کے قیام کا مقصد کیا طے کیا گیا ہے ؟اس کو سمجھنا ، پرکھنا انتہائی ضروری ہے۔

(2) تعلیمی اداروں کے مابین موازنہ کرنے میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ادارے سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد کے شخصی اوصاف کیسے ہیں؟ رویہ اور کردار کیسا ہے؟ سوچ وفکر کی پختگی اور معیار کیسا ہے؟یعنی ادارے کا تعلیمی نظام کس قسم کے افراد تیار کر رہا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مختلف اداروں میں مقصد اور وژن کے اختلاف کے باوجود جو افراد تیار ہو رہے ہیں۔ان کے رویے اور قدریں بالعموم یکساں ہیں۔سوچنے کا انداز اور فکر کے دھارے ایک جیسے ہیں ،رجحانات اور میلانات ، دلچسپیاں اور مشاغل لباس اور پوشاک ،طرز ہائے زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔چنانچہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک بڑے دائرے میں ان اداروں کا نصاب زندگی ایک جیسا ہی ہے۔

ذرا لارڈ میکالے کا جملہ یاد کیجئے جو اس نے ہمارے لیے تعلیمی اسکیم کو وضع کرتے ہوئے بیان کیا تھا:

"Education is to form a class of people ,Indian in blood and colour but British in taste and opinion"

اگر سرکاری اسکولوں کے فارغ التحصیل طلبہ اور عام پرائیوٹ اسکولوں سے نکلنے والے طلبہ ایک جیسی سوچ رکھتے ہیں تو یہ کون سا جوہری فرق ہے۔ اگر ایلٹ اسکولوں کی اسکیم استحصالی نظام کو پروان چڑھا رہی ہے اور دیگر ادارے بھی اس میں رنگ بھر رہے ہیں تو یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں سمجھا جائے گا۔ ہمارے زاویہ نظر سے فکری اعتبار سے نظام ہائے تعلیم دو ہی ہیں۔

1) الہامی ہدایت کی روشنی میں وضع کیا جانے والا نظام تعلیم

2) بغیر الہامی ہدایت کی روشنی میں وضع کیا جانے والا نظام تعلیم

ان دونوں نظاموں میں فلسفہ تعلیم اور اس کے ثمرات میں جوہری فرق ہے۔ الہامی ہدایت کی چھتری کو ہٹا کر تعلیمی اداروں کے کتنے ہی مختلف نام اور نظام بنالیں، وہ ثمرات کے اعتبار سے یکساں ہی ہوں گے اور ایک خاص قسم کی فکر اور سوچ کو پروان چڑھائیں گے۔ لہٰذا مختلف نظام ہائے تعلیم کا موازنہ کرنے میں جانچ، تجزیہ اور جائزہ کا بنیادی اور اصل معیار اس تعلیمی ادارے یا نظام سے فارغ التحصیل افراد کا زاویہ فکر، سوچ کا انداز اور بنیادی شخصی اوصاف کی پرکھ ہونا چاہئے۔

● طلباء اور طالبات سے گزارش

(1) ابدی حقائق کا علم، علمِ نافع ہے۔

(2) ہر وہ علم جو اللہ کے معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے، علم نافع ہے۔

(3) تحصیل علم کے لئے نیت کی درستگی بنیادی شرط ہے۔ اس میں خرابی سے دنیا و آخرت میں نتائج کا فرق پڑ جاتا ہے۔

(4) تعلیم وتعلم کا مقصد اول.....اللہ کا صالح بندہ بننا،معرفت الٰہی کا حصول ،فریضہ اقامت دین اور خلیفۃ للہ فی الارض کی تیاری ہے۔

(5) فکرِ معاش، روزگار، تفاخر، دنیاوی مسابقت اور جاہ وحشمت یہ سب کے سب تعلیم کے ادنیٰ مقاصد ہیں۔

●اساتذہ اور تعلیمی اداروں کے منتظمین سے گزارش

● یہ انتہائی عجیب اور اہم بات ہے کہ جیسے جیسے تعلیم عام ہوتی جارہی ہے اخلاقی زوال بڑھتا جارہا ہے۔اسکولوں کالجوں اور جامعات کی تعداد میں پچھلے چند سالوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے لیکن ساتھ ساتھ کیفیت یہ ہے کہ ہماری حیا کا جنازہ نکل رہا ہے ٹیوشن سینٹروں کی ہر طرف گویا کھیتیاں اور فصلیں لہلہاتی نظر آتی ہیں اور معاملہ یہ کہ ہماری قدریں پامال ہورہی ہے۔سرکاری اعداد وشمار کے مطابق خواندگی کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے۔لیکن ہر قسم کی بد عنوانی رگوں میں سرائیت کرگئی ہے۔

● یہاں ایک بات توجہ طلب یہ ہے کہ خواندگی کی تعریف میں اخلاق وکردار کا کہیں واسطہ نہیں ہے۔ہم شرح خواندگی کو بڑھانے کے منصوبے بناتے ہیں ،اربوں روپے کا بجٹ مختص کرتے ہیں۔لیکن مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کرپاتے۔ہمیں خواندگی کی اپنی تعریف متعین کرنی چاہئے۔بنگلہ دیش نے تقریباً دو دہائیاں تعلیمی خواندگی کی شرح بڑھانے کے لیے کوششیں کیں اور اپنی شرح خواندگی کو دگنا کردیا لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان سالوں میں ہی بنگلہ دیش میں کرپشن بھی دوگنی ہوگئی۔ایک طرف خواندگی بڑھ رہی ہے اور دوسرے جانب کرپشن میں اضافہ ہورہا ہے۔کیا یہ دونوں راست متناسب ہیں؟

● تازہ ترین اعداد شمار کے مطابق پاکستان میں بھی پچھلے سالوں میں کرپشن ''مالیاتی بدعنوانی ''میں اضافہ ہوا ہے 2009ء میں کرپٹ ملکوں کی فہرست میں پاکستان 43ویں نمبر پر تھا اور 2010ء میں وہ 34ویں نمبر پر آگیا۔یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس عرصے میں شرح خواندگی میں اضافے کے لیے مستقل اقدامات کئے جاتے رہے ہیں۔

● جب تعلیمی اداروں اور تعلیمی اسکیم سے تزکیہ کو نکال دیا جائے تو اخلاقی بحران آتا ہے۔ پھر ان اداروں میں جو ہماری روایت کے مطابق صفّہ کا تسلسل تھے، بسنت منائی جاتی ہے۔ رنگا رنگ تقاریب کا انعقاد ہوتا ہے اور ان میں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے مناظر اور عقل کو دنگ کر دینے والے نت نئے فیشن کے ملبوسات نظر آتے ہیں۔ ہولی کا تہوار، ویلنٹائن ڈے کو منانا (الامان والحفیظ) ذرا سوچئے ہم کہاں سے چلے تھے، کہاں آ گئے۔ ہمارا پہلا مدرسہ اسکول، مکتب، جامعہ کون سی تھی اور ہم نے اس سلسلہ کو کیا رخ دے دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (51/1)

جب تم میں حیا نہ رہی تو پھر جو چاہے وہ کرو

● ایک اہم اور قابل ذکر یہ نکتہ بھی سامنے رہنا چاہئے۔ ہماری تعلیم پہلے سرکاری تحویل میں تھی۔ یعنی نیشنلائز، پھر یہ نجی ملکیت میں آ گئی یعنی پرائیویٹائز ہوگئی۔ پھر یہ تجارت بن گئی، صنعت قرار پائی یعنی کمرشلائز ہوئی اور اب یہ اگلے مرحلے میں گلیمرائز ہوگئی ہے۔ چنانچہ ہماری نظر میں اس کے اثرات کچھ یوں ظاہر ہوئے۔

نیشنلائزیشن.....معیار تعلیم کم تھا، تاہم ملی یکجہتی موجود تھی

پرائیویٹائزیشن.....معیارات میں تفاوت پیدا ہوا قومی وحدت و یکجہتی ختم ہوگئی، نظریاتی ہم آہنگی متاثر ہوئی، انتشار فکر بڑھا

کمرشلائزیشن.....تعلیم کی روح متاثر ہوئی، معلم و متعلم کا رشتہ کمزور ہوا، علم کا تقدس پامال ہوا، تعلیم نے جنس بازار کی شکل اختیار کر لی

گلیمرائزیشن.....شیطانی تہذیب کا غلبہ ہوا، جھوٹی چمک دمک، تصنّع اور ملمع کاری اداروں کی شکل میں ظاہر ہوئی تعلیمی ادارے سیکولر ایجنڈے کے علمبردار بن گئے۔

اسی طرح قیام پاکستان کے پہلے پچاس سالوں کی نسبت گزشتہ پندرہ سالوں میں تعلیمی

اداروں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ یہ تعداد صرف پرائمری سطح کی نہیں ہے بلکہ اعلیٰ ثانوی ادارے اور جامعات میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ معاشرے کو سیکولر رنگ دینے میں ان تعلیمی اداروں کے منفی کردار سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

- بگڑے ہوئے اور اخلاقی لحاظ سے زوال پذیر معاشرے میں تعلیمی ادارے کا کردار انتہائی اہم ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ذمہ داری دہری ہو جاتی ہے۔
- ہمیں اپنی تعلیمی اداروں کو دار ارقم اور صفہ کا تسلسل قرار دینا چاہئے۔ یہ ہمارے اخلاص اور ایقان کی گواہی ہوگی۔
- تعلیمی اداروں کے اولین کسٹمر طلباء ہیں۔ دنیاوی نکھار کے ساتھ ان کی آخرت کی فلاح کو پیش نظر رکھنا ہی اصلی خیر خواہی ہے۔ یہی دراصل ''گاہک سب سے پہلے'' (customer comes first) کا تقاضا ہے۔
- مکتب، مدرسہ، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے مراحل میں فرد اپنے رب کا نہ ہو سکے تو تعلیم و تعلم کا سارا نظام ہی سوالیہ نشان ہوگا۔
- تعلیم کو بالعموم صرف تدریسی عمل سمجھ لیا گیا ہے۔ جبکہ تعلیم میں تدریس کے ساتھ تربیت، تادیب، تذکیر اور تزکیہ شامل ہیں۔
- شرحِ خواندگی کے بڑھنے سے اخلاقی قدریں پروان نہیں چڑھتیں اور نہ ہی کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔
- تعلیمی اداروں اور تعلیمی اسکیم سے تزکیہ کو نکال دیا جائے تو اخلاقی بحران آتا ہے۔
- تعلیم و تعلم کے عمل کو شخصیت کے حوالے سے تقسیم کریں تو وہ معلومات/تصورات کی تشکیل اور رویہ، کردار کی تعمیر اور مہارتوں کی نشوونما ہوں گی۔

وضاحت: ہم جو بھی سیکھتے اور سکھاتے ہیں اسے ایک مثلث سے ظاہر کر سکتے ہیں۔

- چنانچہ پختہ علم، گہرا فہم اور بہترین صلاحیت و مہارتوں کے ساتھ فرد میں وہ بہتر رویہ، کردار

اور اقدار بھی مطلوب ہیں جو اس کی شخصیت سے ظاہر ہوں۔ اصل چیز کردار کی تعمیر ہے جو اس تعلیمی عمل کا ایک لازمی حصہ ہے۔ ہمارا المیہ ہے کہ اس مثلث میں اطلاعات، اصطلاحات اور معلومات پر تو توجہ رہتی ہے۔ مہارتوں کی نشوونما کے لیے ہماری طلب اور اس کے اظہار میں تو ہماری بے چینی قابل دید ہوتی ہے۔ لیکن تعمیرِ کردار پر ہماری توجہ نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں تمام تر تعلیمی سرگرمیوں کا ماحصل، جو نسل پروان چڑھ رہی ہے اور معاشرے کو مل رہی ہے وہ کردار و اخلاق کے حوالے سے انتہائی کم درجے اور معیار کی ہے۔

● امام غزالیؒ کے نزدیک ''تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہئے کہ نوجوان کے ذہن میں علم کی پیاس بجھا دے، بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاقی کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہئے ''

غور طلب نکتہ

● اس مثلث میں سب سے اہم تعمیرِ کردار ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مثلث کے تینوں پہلوؤں کو الہامی ہدایت کے تابع ہونا چاہئے ذرا سوچئے! کیا ایسا ہو رہا ہے؟ **(51/2)**

● بگڑے ہوئے اور اخلاقی لحاظ سے زوال پذیر معاشرے میں تعلیمی ادارے کا کردار انتہائی اہم ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ذمہ داری دہری ہو جاتی ہے۔

● ہمیں اپنی تعلیمی اداروں کو دار ارقم اور صفہ کا تسلسل قرار دینا چاہئے۔ یہ ہمارے اخلاص اور ایمان کی گواہی ہوگی۔

● تعلیمی اداروں کے اولین کسٹمر طلباء ہیں۔ دنیاوی نکھار کے ساتھ ان کی آخرت کی فلاح کو پیش نظر رکھنا ہی اصلی خیر خواہی ہے۔ یہی دراصل ''گاہک سب سے پہلے'' (customer comes first) کا تقاضا ہے۔

● مکتب، مدرسہ، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے مراحل میں فرد اپنے رب کا نہ ہو سکے تو تعلیم و تعلم کا سارا نظام ہی سوالیہ نشان ہوگا۔

باب:4

دینی باتوں کو عقل سے پرکھنا

سوال: کیا دینی باتوں کو عقل سے پرکھنا اور اس کے صحیح یا غلط ہونے کے لیے عقل کو معیار بنانا صحیح ہے، اگر نہیں تو کیوں؟ یا بالفاظ دیگر علوم وحی اور علوم عقلی میں ٹکراؤ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: چونکہ دینی علوم کا مدار آسمانی وحی پر ہے اور بقیہ علوم کا حواس اور عقل پر، اور یہ بات واضح ہو چکی کہ جہاں عقل کی انتہاء ہے وہاں سے وحی کی ابتداء ہے اور یہ کہ وحی الٰہی کو عقل انسانی سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے لہٰذا وحی کی ہر بات میں عقل لڑانا، عقل سے اس کو سمجھنے کی کوشش کرنا غلط ہے، وحی اعلیٰ ہے عقل ادنیٰ اور اعلیٰ اور ادنیٰ میں ٹکراؤ ہو تو اعلیٰ کو لیا جائے گا۔(52)

● قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے ایک فریضہ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کو بھی بیان کیا ہے(البقرۃ:151)
یعنی آپ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ حکمت، دانائی اور عقل مندی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلقین فرمائی بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی حکم کسی کو اپنی عقل کے لحاظ سے حکمت کے خلاف محسوس ہو تو اعتبار اس کی عقل کا نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سکھائی ہوئی حکمت کا ہے(53)

● مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

> وہ لوگ جن پر مادیت اور حسیت پورے طور پر طاری ہوتی ہے اور وہ ایمان بالغیب کے بغیر دین کے ماوراء عقل حقائق کی گرہ کشائی کی کوشش کرتے ہیں، ان کی کوشش اس شخص کی طرح ہوتی ہے جو بغیر کسی زینہ کے بلندی کی طرف جانا

چاہے، یا بغیر پَر اور بازو کے اڑنا چاہتا ہے، وہ جس قدر اوپر جانے کی کوشش کرتا ہے، اس کی مادیت اور کثافت اس کو نیچے کی طرف لاتی ہے، اور اس کا حال وہ ہوتا ہے جس کی قرآن مجید نے اپنے بلیغ الفاظ میں اس طرح تصویر کھینچی ہے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ۔ (سورۃ الانعام:125)

جس کو اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے، اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ بنا دیتا ہے، گویا کہ وہ آسمان پر بدقت چڑھتا ہے، اسی طرح اللہ خباثت میں ڈال دیتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے۔ **(54)**

- حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔ **(55/1)**

اگر دین کا مدار عقل وقیاس پر ہوتا تو موزے کے نچلے حصے پر مسح کیا جاتا نہ کہ اوپر حالانکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موزوں کے ظاہر (اوپر کی طرف) پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ، فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَسْمَعْنَاكُمْ، وَمَا أَخْفَى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلٰى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ۔

ہر نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے گی، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں قرآن سنایا تھا ہم بھی تمہیں سنائیں گے اور جن نمازوں میں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ قرآت کی ہم بھی ان میں آہستہ ہی قرآت کریں گے اور اگر سورہ فاتحہ

ہی پڑھو جب کافی ہے لیکن اگر زیادہ پڑھ لو تو اور بہتر ہے۔(55/2)

چنانچہ عقل اور تجربہ کی بنیاد پر بنائے گئے قوانین آزادی، مساوات وغیرہ، جیسے اقوام متحدہ کا عالمی منشور میں ہے اس کی جو شقیں وحی کے خلاف ہوں گی وہ ایک سچے مسلمان کے لیے نا قابل قول ہوں گی۔(55/3)

- حضرت ابوالزنادؒ فرماتے ہیں:

دین کی بہت سی باتیں انسانی عقل سے بالاتر ہونے کی وجہ سے انسان کو سمجھ نہیں آتیں لیکن بندہ کا کام تو بندگی ہے، یعنی عقل میں آئے نہ آئے ماننا ہے یہی مسئلہ کہ حائضہ عورت نماز جیسی اہم عبادت کی قضا نہیں کرے گی لیکن اگر حیض کی وجہ سے روزے چھوٹ گیے ہیں تو روزوں کی قضا کرے گی۔(55/4)

ایک روایت میں آتا ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دیا اور فرمایا: میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے۔ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے میں نہ دیکھتا تو میں بھی کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔(55/5)

ایک اور روایت میں آتا ہے:

ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حجر اسود کے بوسہ دینے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا اگر ہجوم ہو جائے اور میں عاجز ہو جاؤں تو کیا کروں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس اگر وگر کو یمن میں جا کر رکھو میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اس کو بوسہ دیتے تھے۔(55/6)

سوال: یہ بات ٹھیک ہے کہ علوم وحی اعلیٰ ہیں اور بقیہ علوم (مشاہداتی/عقلی) ادنیٰ ہیں اور اعلیٰ و ادنیٰ میں ٹکراؤ ہو تو اعلیٰ کو لینا چاہئے۔ اعلیٰ میں زیادہ لگنا چاہئے، جبکہ ہمارا مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ (ذیل میں مثالیں دیکھیں) ایسا کیوں ہے؟

مثالیں:

(1) دنیاوی علوم سیکھنے پر کئی کئی سال لگا دیئے جاتے ہیں اور قرآن وحدیث کے معانی اور مفہوم تو دور کی بات ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو قرآنی حروف کی صحیح ادائیگی بھی نہیں کر پاتا۔

(2) کتنے لوگ وحی کی یہ پکار روزانہ پانچ مرتبہ سنتے ہیں "**حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح**" نماز میں کامیابی ہے۔ پھر بھی نماز کی طرف نہیں آتے گویا بزبان حال یہ کہتے ہیں کہ ہمارے مشاہدہ کا علم تو یہ کہہ رہا ہے کہ دکان میں، فیکٹری میں کامیابی ہے اور (نعوذ باللہ) مسجد جانے میں ہمارا نقصان ہے۔

(3) وحی کا علم کہتا ہے۔ **یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبَا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ**، (بقرۃ:276) یعنی سود سے مال گھٹتا اور صدقہ سے بڑھتا ہے یہاں بھی اکثریت مشاہدے کے علم کو لے لیتی ہے وحی کے علم کو ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

(4) وحی کا علم کہتا ہے: **وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِکْیَالَ وَالْمِیزَانَ إِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ (56)**

جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے تو اس کا رزق اٹھالیا جاتا ہے یعنی اس کے رزق میں برکت ختم کردی جاتی ہے۔

جبکہ مشاہدہ کا علم یہ کہتا ہے کہ خیانت کرو مال میں کثرت ہوگی یہاں بھی وحی کے علم کو ٹھکرا کر مشاہدہ کے علم کو سینہ سے لگایا جاتا ہے۔

جواب: اس کی بنیادی وجہ علوم وحی کو سیکھ کر اس پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کا سنورنا۔ اور علوم وحی کی ابدیت اور کاملیت اور اس کے وعدوں اور وعید پر سے اعتماد کا اٹھ جانا اور یقین کی کمزوری ہے۔

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علوم وحی (علم دین) اس میں پوری انسانیت اور انسانیت کی انفرادی اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر گوشہ کے لیے جن کا تعلق عقائد اور نظریات سے ہو یا عبادات اور عادات سے، معاشیات سے ہو یا معاشرت اور اخلاقیات سے، کامل مکمل جامع مانع، ہدایات اور راہنمائیاں ہیں۔

اس میں زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے ایک ہمہ گیر نظام حیات ہے اس کی تعلیمات عین طبع سلیم کی ترجمان ہیں، جماعت اور سوسائٹی کے لیے جو نظام اور پیغام اس میں ہے وہی بہترین نظام اجتماعی ہے۔ ہر فرد کے لیے، جو ضابطہ عمل بنا دیا وہی بہترین ضابطہ شخصی ہے، عقل وجذبات، فرد جماعت، دل ودماغ، جسم وروح، آزادی و پابندی، محبت ونفرت الغرض پوری انسانی زندگی کے متضاد ومتناقض عنصروں کی جتنی رعایت اس میں ہے دنیا کے کسی قانون میں کسی علم اور نظریہ میں نہیں۔

معادیات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات سب میں اس کے اپنے ضابطے ہیں کسی اور فلسفہ کسی اور علم ونظریہ کی پیوندکاری اس کے ساتھ نبھ نہیں سکتی۔

تمام دنیاوی علوم وفنون سے یہ (علم دین) زیادہ منظم ہے، اس کا ہر جز اس کے کُل سے اور اس کے دوسرے اجزاء سے حد درجہ مربوط ہے۔ مشین جتنی نازک ہوتی ہے اسی قدر اس کا ایک ایک پرزہ اپنی جگہ بے بدل ہوتا ہے۔ اس کے کسی معمولی جزیے کی طرف سے بے التفاتی دوسرے اجزاء حیات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ صرف چند عقائد وعبادات کے قوانین اور درویشانہ عارفانہ ملفوظات کا مجموعہ نہیں جس سے صرف آخرت بنتی ہو دنیا نہیں۔ اس لیے اس قانون الٰہی، اور علوم وحی کے مقابلہ میں کسی اور نظریہ اور علم کو ترجیح دینا۔ دستور زندگی بنانا اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا درحقیقت کسی ناقص دستور زندگی اور چھوٹے نصب العین کو قبول کرنے کے مترادف ہے جس کا لازمی نتیجہ دنیا کو بدنظمی، ابتری، بے حیائی، کشت وخون، ظلم وخیانت، انفرادی انتشار اور اجتماعی اختلال بلکہ ہر قسم کی طبقاتی جنگ وکشمکش کو دعوت دینا ہے۔ دنیا عملاً بارہا اس کا تجربہ کر چکی ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔

● مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مذہب کی رہنمائی اور تربیت کے بغیر یورپ کا یہ سارا ذخیرہ علم واکتشاف اس کے لیے بیکار بلکہ وبال جان ثابت ہو رہا ہے، وہ بہت سی غیر ضروری معلومات اور تفصیلات رکھتا ہے، مگر انسانی زندگی کے بنیادی اصولوں سے جاہل اور ان پر عمل کرنے سے غافل ہے، اس نے

کائنات کی بہت سی دور کی گتھیاں سلجھائی ہیں، مگر اپنی زندگی کی گتھی میں خود ایسا الجھا ہے کہ اس کا نہ سر چھوٹتا ہے نہ پاؤں، عجب تماشہ ہے۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا، ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

ایک اور شاعر نے کہا:

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئ
زندگی تاریک سے تاریک ہوتی گئ
کائنات ماہ و انجم دیکھنے کے شوق
اپنی دنیا سے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئ

نجات کا راستہ

اب یورپ کے لیے نجات کا راستہ صرف یہ ہے کہ وہ جرأت سے کام لے کر اخلاقی اور روحانی حیثیت سے اپنے دیوالیہ ہونے کا اعتراف کرے اور صحیح مذہب اور پیغمبر کی محفوظ تعلیم سے رجوع کرلے جو اس کو زندگی کا صحیح مقصد اور اس کی روح عطا کرے۔

باب:5

کتنا علم دین سیکھنا ہر شخص پر فرض ہے؟

سوال: الحمدللہ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ دین کا علم دنیا کے علم سے افضل ہے، قرآن وحدیث میں جو علم کے فضائل آئے ہیں وہ دین ہی کے علم کے ہیں اسی سے زندگی بنتی ہے دنیاوی علم شرائط کے ساتھ اگر سیکھا جائے تو اس کی بھی ممانعت نہیں لیکن ساتھ میں دین کا علم بھی ضرور سیکھنا چاہیے حدیث میں بھی ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اب ذرا یہ بھی بتا دیں کہ

(1) اس حدیث میں لفظ فرض کا کیا مطلب ہے، فرض کفایہ یا فرض غیر کفایہ؟ اور کیا فرض ہونے کی صورت میں ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دورۂ حدیث تک پڑھے (جیسا کہ علمائے کرام پڑھتے ہیں) یا دینی ضرورت کے بقدر جس سے کچھ دینی سمجھ بوجھ پیدا ہو جائے بس اتنا پڑھ لینا کافی ہے۔اور

(2) کیا اس حدیث کے مطابق ہر شخص پر علم حاصل کرنا ضروری ہے چاہے اس میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت وقابلیت ہو نہ ہو۔اور جس شخص میں قابلیت نہ ہو اس کا پڑھنا کیسا ہے، آیا جائز ہے یا ناجائز۔ یہاں حالت یہ ہے کہ علم کے حاصل کرنے میں اس کو لگاتے ہیں جو حد درجہ کم عقل ہو، جو فقہ اور حدیث سمجھ نہیں سکتا یا اس قدر ذہین ہو کہ غلط قیاس کر کے لوگوں کو بہکاتا ہے۔اور

(3) کیا ہر وہ شخص جو صرف ونحو (عربی گرامر) ابتدائی تعلیم سے بے بہرہ ہو یا اس کو اصول حدیث وفقہ سے بالکل ناواقفیت ہو، یا تھوڑی سی ادنیٰ درجے میں واقفیت ہو اس کو فقہ و حدیث کی تحقیقی کتابیں پڑھنا کیسا ہے؟ اور

(4) کیا علم کسی کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔

جواب:

(1) علم حاصل کرنے کے دو درجے ہیں، ایک فرض عین ایک فرض کفایہ۔ فرض عین کا درجہ یہ ہے کہ پاکی ناپاکی، وضو، نماز، روزہ کے احکام معلوم کریں، عقائد ضروریہ و فرائضِ اسلام کا علم حاصل کریں، خواہ اردو میں یا عربی میں، یا اہل علم کی صحبت کے ذریعہ سے، پھر اگر یہ شخص غریب مفلس ہے اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں تو اس کے ذمہ زکوٰۃ کے احکام تفصیل سے جاننا ضروری نہیں، اگر نصاب کے بقدر مال ہو تو زکوٰۃ کے احکام جاننا بھی ضروری ہے، اگر زیادہ مالدار ہو تو حج کے احکام تفصیل کے ساتھ جاننا بھی ضروری ہے، پھر اگر اس شخص کو خرید و فروخت کی ضرورت بھی واقع ہوتی ہے تو خرید و فروخت کے احکام کا جاننا بھی ضروری ہے، اور اگر یہ شخص نکاح کرنا چاہتا ہے تو نکاح کے مسائل بھی جاننا ضروری ہے۔ الغرض جس کام میں مشغول ہو اس کے احکام و مسائل جاننا لازم ہے۔

اور فرض کفایہ یہ ہے کہ علم دین میں اتنی پختگی حاصل کریں کہ لوگوں کو احکام دین بتلا سکے، اور کمزور ایمان والوں کے شک و شبہات کو ختم کر سکے اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دے سکے، یہ فرض کفایہ ہے، ہر شہر میں ایک ایسے عالم کا ہونا ضروری ہے، اگر کسی شہر میں ایک عالم بھی ایسا نہ ہو تو وہاں کے سب مسلمان گنہگار ہوں گے۔

نیز جس طرح ہر مرد و عورت پر اپنے اپنے حالات و مشاغل کی حد تک ان کے فقہی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے فقہ کے مسائل میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے، اسی طرح جو اخلاقِ حمیدہ (اچھے اخلاق) کسی میں موجود نہیں انہیں حاصل کرنا اور جو رذائل (بُرے اخلاق) اس کے نفس میں چھپے ہوئے ہیں ان سے بچنا، تصوف کے جتنے علم پر موقوف ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور پورے علم تصوف میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی تربیت بھی کر سکے، یہ فرض کفایہ ہے۔

(2) علم دین کا جو درجہ فرض کفایہ ہے یعنی **تبحر فی العلم** (علمی پختگی، مہارت) اس کا اہل ہر شخص نہیں بلکہ صرف وہی ہے جس میں علم کی قابلیت اور تبحر کی لیاقت ہو، جس کی طبیعت

میں سلامتی ہو، اور جس کی طبیعت میں سلامتی نہ ہو یا عقل نہ ہو اس کو تبحر لازم نہیں، بلکہ اس کو متبحر (ماہر) بنانا جائز بھی نہیں، اور جو درجہ فرض عین ہے اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں (ہر ایک پر لازم ہے) نہ عاقل نہ کم عقل، کیونکہ اس درجہ کا حصول انتہائی آسان ہے۔

(3) بنیادی علم حاصل کیے بغیر انتہائی (تحقیقی) کتب پڑھنا اور پڑھانا جائز نہیں۔

(4) فرض عین کا درجہ کسی حال میں نقصان دہ نہیں، اور مہارت کا درجہ بعض حالتوں میں نقصان دہ ہے اور وہ وہی حالتیں ہیں جن میں اوپر تبحر سے بعض کو منع کیا گیا ہے، اور یہ جو مشہور ہے کہ علم بغیر عمل کے نقصان دہ ہے صحیح نہیں، بلکہ اس حالت میں بھی علم نافع ہے، کیونکہ اس سے توبہ واستغفار کی ہدایت ہوتی ہے، اور یہ بھی عمل کا ایک درجہ ہے۔(57)

سوال: گزارش ہے کہ حضراتِ علمائے کرام سے سنتے رہتے ہیں کہ دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، ایسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" لیکن دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کی تعیین ہم جیسے عامی مسلمانوں کو معلوم نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح آپ نے دینی مدارس میں پڑھنے والے علمائے کرام کے لیے ایک نصاب مقرر کر رکھا ہے، اس طرح عام مسلمانوں کے لیے بقدر ضرورت دین کا علم سیکھنے کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں۔ اگرچہ حضرات علمائے کرام نے دین اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اردو زبان میں بہت سی کتابیں اور رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ آپ سے درخواست یہ ہے کہ آپ اردو زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کا ایسا مجموعہ تجویز فرمادیں جو عام مسلمانوں کے لیے علم دین سیکھنے کے لیے نصاب کا درجہ رکھتا ہو، اس نصاب کو پڑھ لینے کے بعد آدمی کو دین کی بنیادی اور ضروری باتوں کا علم حاصل ہو جائے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محولہ بالا حدیث پاک کا منشا بھی پورا ہو جائے۔

جواب: گرامی نامہ ملا، آپ نے بہت اہم سوال پوچھا ہے۔ بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کرنا واقعتہً ہر مسلمان پر فرض ہے۔ احقر کی رائے میں اس مطالعے کے دو حصے کرنے

چاہئیں۔ پہلا حصہ ابتدائی ضروری معلومات پر مشتمل ہو جن کے بغیر ایک سچے مسلمان کی طرح زندگی گزارنا ممکن نہیں، اور دوسرا حصہ پہلے حصے کی تکمیل کے بعد ایسے مطالعے پر مشتمل ہو جس سے دینی معلومات میں اتنی وسعت اور استحکام پیدا ہو جائے کہ انسان گمراہ کرنے والوں سے گمراہ نہ ہو، پہلے حصے میں احقر کی نظر میں مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ ضروری ہے:

1) حیاۃ المسلمین: از۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

2) فروع الایمان: از۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

3) تعلیم الدین: از۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

4) مردوں کے لیے ''بہشتی گوہر''

اور عورتوں کے لیے ''بہشتی زیور'': از۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

5) جزاء الاعمال: از۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

6) سیرت خاتم الانبیاء: از۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

7) حکایات صحابہ: از۔ شیخ الحدیث حضرت محمد زکریا صاحب سہارنپوری مدظلہم

8) تاریخ اسلام کامل: از۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

9) اسوۂ رسول اکرام صلی اللہ علیہ وسلم از۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ

دوسرے حصے میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہونی چاہئیں:

1) معارف القران: از۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یا تفسیر عثمانی: از۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

2) معارف الحدیث کامل: از۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم

3) بہشتی زیور کے مسائل: از۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

یا علم الفقہ: از۔ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

4)عقائدِ اسلام: از۔حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

ان شاءاللہ ان کتابوں کے مطالعے سے دین کی اتنی ضروری معلومات حاصل ہو جائیں گی کہ ان کے بعد اپنی زندگی بھی سنور جائے اور انسان کسی باطل نظریئے سے گمراہ بھی نہ ہو۔**(58)**

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

کتاب:2

علم سیکھنے کا صحیح طریقہ

باب:1 علم دین استاذ سے سیکھا جائے صرف کتاب سے نہیں

باب:2 استاذ بنانے سے پہلے تحقیق چھان پرکھ ہو

باب:3 استاذ میں یہ باتیں دیکھی جائیں

باب:1

علم دین استاذ سے سیکھا جائے صرف کتاب سے نہیں

سوال: دین کا علم حاصل کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب: جس طرح کسی بھی علم وفن کے لیے صرف کتاب کا ذاتی طور پر مطالعہ کر لینا کافی نہیں بلکہ استاذ کا واسطہ ضروری ہے ایسے ہی دین کا علم حاصل کرنے کے لیے قرآن وحدیث وغیرہ کا صرف ذاتی مطالعہ کافی نہیں ہے، استاذ کا ہونا ضروری ہے۔ الغرض کتاب اور مُعلّم کتاب دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

"صراط الرسول یا صراط القرآن" **نہیں بلکہ** "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ"

سوال: اس بات کی دلائل سے وضاحت کریں۔

جواب:

دلیل 1: سورۂ فاتحہ میں ہے:

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ . صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ (الفاتحہ:5,6)

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں سیدھا راستہ پانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ انسانوں کا حوالہ دیا کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا یہ نہیں کہا صراط القرآن پر چلو معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ

دونوں کے مجموعہ سے ملتا ہے۔

وضاحت: مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سورۂ فاتحہ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

''یہاں ایک بات قابل غور ہے اور اس میں غور کرنے سے ایک بڑے علم کا دروازہ کھلتا ہے وہ یہ کہ صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے بظاہر صاف بات یہ تھی کہ صِرَاطَ الرَّسُوْل یا صِرَاطَ الْقُرْآن فرمادیا جاتا جو مختصر بھی تھا اور واضح بھی، کیونکہ پورا قرآن درحقیقت صراطِ مستقیم کی تشریح ہے اور پوری تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کی تفصیل ہیں لیکن قرآن کی اس مختصر سورت میں اختصار اور وضاحت کے اس پہلو کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم کی تعیین کے لئے اللہ تعالیٰ نے مستقل دو آیتوں میں ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے صراطِ مستقیم کو اس طرح متعین فرمایا کہ اگر سیدھا راستہ چاہتے ہو تو اِن لوگوں کو تلاش کرو اور اِن کے طریق کو اختیار کرو، قرآن کریم نے اس جگہ نہ یہ فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو کیونکہ محض کتاب انسانی تربیت کے لیے کافی نہیں اور نہ یہ فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ اختیار کرو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بقاء اس دنیا میں دائمی نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا رسول اور نبی نہیں اس لئے صراطِ مستقیم جن لوگوں کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے ان میں نبیّین کے علاوہ ایسے حضرات بھی شامل کردئے گئے جو تا قیامت ہمیشہ موجود رہیں گے، مثلاً صدیقین، شہداء اور صالحین۔(59)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدھا راستہ معلوم کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے کچھ رجال اور انسانوں کا پتا دیا۔

دلیل 2: دو سلسلے کتاب اللہ اور رجال اللہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لیے دو سلسلے ایک ساتھ جاری فرمادیے، نمبر ایک کتاب اللہ (توراۃ، انجیل، زبور، قرآن کریم) دوسرا سلسلہ، رجال اللہ یعنی انبیاء کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے تنہا کتاب کبھی نہیں بھیجی، ایسی مثالیں موجود ہیں کہ انبیاء آئے اور کوئی نئی کتاب نہیں آئی لیکن ایسی ایک بھی مثال نہیں کہ کتاب آئی ہو اور ساتھ کوئی نبی نہ آیا ہو۔ اگر خالی کتاب کا

مطالعہ بغیر کسی استاد کے کافی ہوتا تو خانہ کعبہ پر قرآن لٹکا دیا جاتا کہ یہ قرآن ہے بس اس کے مطابق چلو یا ایسا ہوتا کہ جب ہم صبح بیدار ہوتے تو ہر ایک آدمی کے سرہانے ایک شاندار جلد میں مجلّد قرآن کا ایک نسخہ رکھا ہوا ہوتا اور آسمان سے ایک آواز آجاتی کہ یہ کتاب ہے اس پر عمل کرو۔ ایسا نہیں کیا بلکہ انبیاء کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ بھیجے گئے تاکہ وہ کتاب کی تشریح کریں، اس کی عملی تربیت دیں اور کتاب کے معانی ومفاہیم کو اپنے قول وفعل سے سمجھائیں۔

قرآن کریم میں ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (نحل:44)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُن باتوں کی واضح تشریح کردو جو اُن کے لیے اتاری گئی ہیں اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔

رجال اس لیے بھیجے جاتے ہیں تاکہ کتاب کی تشریح کریں، تفسیر کریں اور لوگوں کی تربیت کریں۔

اور سورۂ آل عمران میں اسی بارے میں فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران:164)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

یعنی کسی بھی پیغمبر کے دنیا میں آنے کا بنیادی مقصد تعلیمِ کتاب ہوتا ہے اس لیے کہ معلم کی رہنمائی کے بغیر ہم اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

حضرت قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں

''یہی وجہ ہے کہ (قرآن کے ساتھ) جناب نبی کریم ﷺ کو بھیجا گیا کہ قرآن کے معنی سمجھائیں۔ محض لغوی معنی مراد ہوتے تو آپ ﷺ کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم بیت اللہ کی چھت پر رکھ جاتے اور اعلان کردیتے کہ اے لوگو! تم مریضانِ نفوس ہو اور یہ نسخہ شفاء ہے، اپنا علاج خود کرلیا کرو .....مگر دنیا میں یہ اصول نہیں ہے کہ طب کی کتابیں دیکھ کر آدمی علاج کرے جب تک طبیب اور معالج نہ ہو، کتاب اصول بتلادے گی۔ موازین بتلادے گی، مقداریں بتلادے گی۔ نفسیات کو تو نہیں پہچانے گی، موسم کو نہیں پہچانے گی یہ تو طبیب ہی نبض پر ہاتھ رکھ کر پہچانے گا کہ مرض ٹھنڈا ہے یا گرم ہے۔ مرض ٹھنڈا ہوا تو گرم دوائیں دے گا۔ مرض گرم ہوگا تو ٹھنڈی دوائیں دے گا تو بغیر طبیب کے معالجہ ناممکن ہے۔ یہ بدنی معالجہ ہے وہ روحانی معالجہ ہے، وہاں بدنی اطباء کی ضرورت ہے۔ یہاں روحانی اطباء کی ضرورت ہے۔ بغیر طب کے نہ بدن اچھا رہ سکتا ہے اور نہ بغیر طبیب کے آدمی کی روح اچھی رہ سکتی ہے۔ دونوں جگہ معالج کی ضرورت ہے۔ تو قرآن نسخہ شفاء ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام حکماء بنا کر بھیجے گئے ہیں وہ اطباء روح ہیں جو روح کے نشیب وفراز جان کر نسخہ تجویز فرماتے ہیں اور علاج کرتے ہیں۔(60)

الغرض خالی کتاب اس وقت تک سمجھ نہیں آتی جب تک کہ پیغمبر کی تعلیمات کا نور ساتھ نہ ہو کتاب تو موجود ہے بڑی فصیح وبلیغ بھی ہے لیکن میں اندھیرے میں بیٹھا ہوں میرے پاس روشنی نہیں ہے کیا میں اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں؟ نہیں! کتاب سے فائدہ اٹھانے کے لیے انسان کے پاس دو نور کا ہونا ضروری ہے ایک داخلی نور یعنی آنکھ کا نور دوسرے خارجی نور یعنی سورج، بجلی کی روشنی وغیرہ کا نور ان میں سے ایک نور بھی مفقود ہو (مثلاً سورج، بجلی، چراغ کی روشنی ہے لیکن آنکھ میں نہیں یا آنکھ میں ہے لیکن سورج، بجلی کی روشنی نہیں) تو کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اسی طرح دین میں بھی 1۔ کتاب اللہ کا نور۔ 2۔ رجال

اللہ (انبیاء کی تعلیمات) کا نور دونوں سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

نیز قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

نہ محض کتاب کافی ہے نہ محض شخصیت کافی، اگر شخصیت تنہا ہو اور کتاب اللہ سامنے نہ ہو تو شخصیتوں پر ذاتی احوال بھی تو گزرتے ہیں۔ ان ذاتی احوال میں کچھ ان سے ایسے افعال بھی سرزد ہوئے ہیں اگر ان کے سارے افعال شریعت بن جائیں تو شرعیت اور غیر شریعت مخلوط ہو کر رہ جائے گی۔ اصلی دین باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح غلط اقوال اور احوال ہیں.....مثلاً ایک شخص صاحب حال ہے۔ اس حال میں اس نے ایک ''وجدیہ کلمہ'' کہا۔ اپنے نزدیک وہ سچا ہے حال بھی درست ہے مگر وہ قانون نہیں ہے کہ آپ دوسروں کو تلقین کریں۔ قانون وہی ہے جو اللہ کے رسول نے فرمایا ہے۔ اگر منصورؒ نے انا الحق کہا تو یہ کوئی قانون نہیں کہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر کہا جائے کہ لوگو تم بھی ''انا الحق'' کہا کرو۔

بہرحال قانونِ عام شریعت ہے اسٹیج پر اسی کو پیش کیا جائے گا۔ زید، عمرو، بکر اپنے اپنے احوال پیش نہیں کر سکتے تو شخصیت اور کتاب دونوں کی ضرورت ہے۔ پیغمبر کی بھی ضرورت ہے اور قانون الٰہی کی بھی ضرورت۔ نہ محض قانون کافی نہ محض ذات کافی ہے۔ پیغمبر کی ذات تو معصوم ہے لیکن بعد میں جو ذوات آئیں گی وہ تو معصوم نہیں ہیں۔ غلط فہمی بھی لگی ہوتی ہے، غلط احوال بھی لگے ہوتے ہیں۔ جب یہ ساری چیزیں شریعت بن جائیں گی تو شریعت اور غیر شریعت خلط ہو جائے گی۔ دین کے اوپر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اس لئے شخصیتوں کو کتاب کے معیار پر پرکھیں گے اور کتاب کے معانی شخصیتوں سے سمجھیں گے۔ اسی طرح دین چلے گا اور صحیح ہدایت پر لوگ پہنچیں گے۔**(61)**

دلیل 3: قرآن وحدیث کا ذاتی مطالعہ جس میں کسی ماہر استاذ کی راہنمائی نہ ہو یہ بھی آیات الٰہیہ پر اندھے بہرے ہوکر گرنے کے مفہوم میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا

(الفرقان 73)

اور جب انہیں اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں یہ بات تو قابل شکر ہے کہ نوجوان اور نوتعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور اس کے سمجھنے کی طرف کچھ توجہ پیدا ہوئی ہے اور اس کے تحت وہ بطور خود قرآن کا ترجمہ یا کسی کی تفسیر دیکھ کر قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر یہ کوشش بالکل بے اصول ہے اس لیے قرآن کو صحیح سمجھنے کے بجائے بہت سے مغالطوں کے شکار ہوجاتے ہیں۔ اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے کسی کو معتد بہ نہیں حاصل ہوسکتا جب تک کہ اس کو کسی استاد سے نہ پڑھے۔ معلوم نہیں قرآن اور علوم قرآن ہی کو کیوں ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کرلے۔ یہ بے اصول مطالعہ جس میں کسی ماہر استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الٰہیہ پر اندھے بہرے ہوکر گرنے کے مفہوم میں شامل ہے۔(62/1)

دلیل 4: إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ

صحیح بخاری کی روایت ''إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ''(علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے۔)(62/2) کی حضرات شارحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ شرح فرمائی ہے:

''لَيْسَ الْعِلْمُ الْمُعْتَبَرُ إِلَّا الْمَاخُوْذَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَوَرَثَتِهِمْ عَلٰى

سَبِيْلِ التَّعَلُّمِ وَالتَّعْلِيْمِ" (63)

علم وہی معتبر ہے جو انبیاء اوران کے ورثاء سے تعلیم وتعلم کے طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔

اس حدیث وشرح سے یہ اصل وقاعدہ معلوم ہوا کہ علم وہی معتبر ہے جو باقاعدہ کسی استاذ سے تعلیم وتعلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہو اور جو علم صرف اردو تراجم وغیرہ کے مطالعہ کی مرہون منت ہو وہ معتبر نہیں، لہٰذا ایسے شخص کی بات پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

دلیل 5: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِيْ مَا أَتَى عَلَى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ فِيْهِمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ، وَإِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ. (64)

جو کچھ بنی اسرائیل پر آیا وہ سب کچھ میری امت پر ضرور آئے گا (اور دونوں میں ایسی مماثلت ہوگی) جیسے کہ دونوں جوتے ایک دوسرے کے برابر کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس کام کو کرے گا اور بنی اسرائیل 72 فرقوں میں تقسیم ہوگئے میری امت 73 فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی اور ایک فرقہ کے علاوہ باقی تمام فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو اس راستہ پر چلے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معیار حق دو ہی چیزوں کے مجموعہ کو قرار دیا ہے جس کو کلمہ "مَا أَنَا عَلَيْهِ" اور کلمہ "وَأَصْحَابِيْ" سے ظاہر فرمایا۔ "مَا أَنَا عَلَيْهِ" سے اشارہ دستور

نبی اور اسوۂ نبی کی طرف ہے اور "وَأَصْحَابِیْ" سے اشارہ برگزیدہ اور مقدس شخصیات کی طرف جن میں سب سے پہلے صحابہ کرام کی ذوات قدسیہ ہیں اور بعد میں تابعین تبع تابعین ائمہ مجتہدین فقہائے مقدمین علماء راسخین اور مشائخ ہیں۔

الغرض اس حدیث میں بھی صراط الذین انعمت علیہم کی طرح صرف کسی کتاب کا پتا نہیں بتایا انسانوں کا پتا بتایا جس سے معلوم ہوا دین سمجھنے کے لیے خالی کتاب کافی نہیں۔(65)

دلیل 6: ومفاتح العلم بایدی الرجال/یقبض العلم بقبض العلماء

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

علم میں استاذ کا وجود بہرحال لازمی ہے۔نظریاتی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے لیے استاذ کے بغیر علم کا وجود (فی نفسہ) ممکن ہے لیکن عملی طور پر عادۃ استاذ کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا اور یہ بات تقریباً مسلمات میں سے ہے۔

مقولہ مشہور ہے:

إِنَّ الْعِلْمَ كَانَ فِيْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ ثُمَّ انْتَقَلَ إِلَى الْكُتُبِ وَصَارَتْ مَفَاتِحُهُ بِأَيْدِي الرِّجَالِ۔

علم پہلے لوگوں کے سینوں میں تھا پھر کتابوں کی طرف منتقل ہوگیا مگر اس علم کی کلید اب بھی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

اس مقولہ کا بھی یہی مطلب ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے کتابیں کافی نہیں بلکہ اساتذہ کا واسطہ ضروری ہے خواہ براہ راست اساتذہ سے علم حاصل کیا جائے یا کتابوں سے اساتذہ کے ذریعہ علم حاصل ہو۔اساتذہ کا وجود دونوں صورتوں میں ضروری ہے اور ان دو طریقوں کے علاوہ حصول علم کا کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔

اس مقولہ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ إِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا إِتَّخَذَ النَّاسُ

رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا (66)

اللہ تعالیٰ علم.....لوگوں (کے سینوں) سے نہیں نکالیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ علماء کے انتقال سے علم اٹھالیں گے، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے جن سے بغیر علم کے فتوے پوچھے جائیں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علماء ہی علم کا ذریعہ ہیں اور علم انہیں سے حاصل کیا جائے گا اور یہ بات صرف علم دین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر علم کے ماہرین خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتے ہوں اس بات پر متفق ہیں۔(67)

دلیل 7: صرف کتاب پڑھ کر نہ الماری/ بریانی بنائی جاسکتی ہے نہ ڈرائیونگ اور علاج کیا جاسکتا ہے۔

استاذ کے بغیر صرف مطالعہ کافی نہیں یہ بات صرف دین کے عالم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دنیا کے ہر علم وفن کا یہی حال ہے کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں صرف کتاب پڑھ کر مطالعہ کر کے کسی فن کا ماہر بن جاؤں وہ نہیں بن سکتا جب تک کہ کسی استاذ سے اس علم وفن کو حاصل نہ کرے۔ **مثالیں:**

(1) کتاب پڑھ کر الماری نہیں بنائی جاسکتی۔

بڑھئی (کارپینٹر) ہے کتاب کے اندر سب کچھ لکھا ہے کہ کس طرح میز بنتی ہے کس طرح کرسی بنتی ہے اور کیا کیا آلات اس میں استعمال ہوتے ہیں لیکن کیا کتاب سامنے رکھ کر الماری بنائی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں اس کے برخلاف کتاب ایک بھی نہ ہو کسی بڑھی کی صحبت اٹھالی جائے دو چار ماہ اس کو دیکھا جائے وہ کیسے بناتا ہے آلات کیسے استعمال کرتا ہے بس آسانی سے الماری بنانا آجائے گی۔

(2) کتاب پڑھ کر بریانی نہیں بنائی جاسکتی۔

کھانا پکانے کی کتنی کتابیں چھپی ہوئی ہیں اس میں مختلف ڈشیں اوران کی ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں، بریانی کی ترکیب، کباب کی، قورمہ کی کہ اتنا نمک، اتنی مرچ، اتنا مصالہ۔

اب اگر ایک شخص جس نے کبھی کھانا نہیں پکایا وہ کتاب سامنے رکھ کر بریانی بنانا شروع کرے تو کیا بنالے گا: ہرگز نہیں۔

(3) کتاب پڑھ کر ڈرائیونگ نہیں سیکھی جاسکتی۔

کسی نے کسی ماہر سے ڈرائیونگ نہیں سیکھی صرف کتاب پڑھی کہ گاڑی اسٹارٹ کیسے ہوتی ہے، گیر کون سے ہیں؟ اور کیسے لگتے ہیں، کلچ اور بریک کا طریقہ استعمال کیا ہے؟ اب کتاب پڑھنے کے بعد وہ گاڑی چلانا شروع کرتا ہے تو کیا کوئی عقلمند اس کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار ہوجائے گا۔

(4) میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر علاج نہیں کیا جاسکتا۔

میڈیکل سائنس پر ہر زبان میں کتابیں موجود ہیں اب اگر کوئی شخص ماہرین سے اس فن کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرے بغیر صرف ذاتی مطالعہ کرکے اور سمجھ کر لوگوں کا علاج شروع کردے تو ایسا شخص قبرستان ہی آباد کرے گا اور پوری دنیا میں کوئی ادارہ کوئی حکومت ایسے شخص کو یہ اجازت نہیں دے گی کہ وہ انسانی زندگیوں سے کھیلے اور نہ ہی کوئی شخص اس سے اپنا علاج کرانے کی ہمت کرے گا، نہ کوئی لوگوں کو یہ مشورہ دے گا کہ اس سے علاج کراؤ اور پھر بھی اگر ایسا شخص علاج معالجہ شروع کردے اور لوگوں کا ہجوم بھی اس کے اردگرد اکھٹا ہوجائے اور کچھ لوگوں کو اس کے علاج سے فائدہ بھی ہوجائے تب بھی چونکہ ہر وقت یہ خطرہ اور احتمال موجود ہے کہیں یہ شخص غلطی نہ کرجائے لہٰذا ایسے شخص سے خود بھی بچا جائے گا اور دوسروں کو بھی دور رکھا جائے گا۔

واقعہ:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

محض کتابیں دیکھ کر اپنی اصلاح نہیں ہوسکتی، فرمایا کہ میں کتابوں کو بے کار نہیں کہتا وہ بے شک کام کی ہیں مگر طبیب کے کام کی ہیں، مریض کے کام کی نہیں، طب (اور میڈیکل) کی کتابوں سے کوئی مریض اپنا علاج نہیں کرسکتا حالانکہ کتابوں میں سب موجود ہے اور طبیب انہی سے علاج کرتا ہے مگر عام آدمی نہیں کرسکتا۔

بلکہ میں تو تجربہ سے کہتا ہوں کہ مریض اپنے معالجہ میں معمولی امراض کے اندر بھی غلطی کھا جائے گا۔ چنانچہ پہلے ہر سال برسات کے آخیر میں بخار آیا کرتا تھا اب الحمدللہ بہت سالوں سے نہیں آیا اور ہمیشہ صفراوی بخار ہوتا تھا میں نے ایک دفعہ خیال کیا کہ مجھے غلبہ صفراء سے بخار ہوتا ہے اور حکیم صاحب ہر سال قریب قریب ایک ہی نسخہ لکھتے ہیں لاؤ اس کو نقل کرلیں، جب بخار آیا کرے گا اس کو استعمال کرلیا کریں گے حکیم صاحب کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ ہوگی چنانچہ ایک سال ایسا ہی کیا کہ پچھلے سال کا لکھا ہوا نسخہ خود ہی استعمال کرلیا مگر چند روز استعمال کرنے سے بھی خاک نفع نہ ہوا، آخرکار حکیم صاحب کو بلایا انہوں نے نسخہ لکھا اس کے پینے سے آرام ہوگیا پھر تحقیق ہوئی کہ اس سال صفراء کے ساتھ بلغم صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں کیونکہ اب بڑھاپے کا سن شروع ہوگیا۔ اب اگر میں اس نسخہ کو بھی نقل کرلیتا کہ چلو اس میں صفراء اور بلغم دونوں کی رعایت ہے تو یقیناً اس سے بھی اگلے سال نفع نہ ہوتا، بلغم ہی بڑھتا (بلکہ تکلیف وغم ہی زیادہ ہوتا۔ یہ ''بل غم'' مرکب ہے مفرد نہیں) کیونکہ مجھے اندازہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس سال بلغم صفراء سے زیادہ ہے یا کم یا مساوی، اس کا اندازہ تو طبیب ہی کرسکتا ہے جو نبض کی حالت پہچانتا ہے اس لیے کتب طب سے معالجہ کرنا طبیب ہی کا کام ہے اسی طرح احیاء العلوم، فتوحاتِ مکیہ جو تصوف کی کتابیں ہیں بیکار نہیں بلکہ

کارآمد ہیں مگر شیخ کے کام کی ہیں طالب علم کے کام کی نہیں، طالب کو تو اپنے معالجہ کے لیے کسی محقق کا اتباع لازم ہے۔(68)

● قرآن نصیحتوں کے لیے آسان ہے نہ کہ احکام، قوانین، قواعد کے اعتبار سے

سوال: قرآن کریم خود اپنے بارے میں کہتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القمر:17)

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

جب قرآن کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کے لیے کسی لمبے چوڑے علم وفن اور استاذ کی ضرورت نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر شخص جس کو عربی کی معمولی شد بد ہے وہ براہ راست (بغیر کسی انسان کو واسطہ بنائے) قرآن کریم سے اور جس کو عربی نہیں آتی وہ کسی بھی ترجمہ کو دیکھ کر قرآن کریم کو سمجھ سکتا ہے، اس سے رہنمائی لے سکتا ہے، وہ اس کا مطلب آگے بیان کر سکتا ہے۔ پھر علماء اس بات پر کیوں اصرار کرتے ہیں کہ تفسیر قرآن کے لیے صرف عربی زبان کی معمولی واقفیت کام نہیں دے سکتی بلکہ اس کے علم کے لیے: (1) اصول تفسیر (2) علم حدیث (3) اصول حدیث (4) اصول فقہ (5) فقہ (6) نحو (7) صرف (8) لغت (9) ادب (10) بلاغت میں ماہرانہ بصیرت اور اس کے ساتھ طہارت وتقویٰ ضروری ہے ان ضروری شرائط کے بغیر تفسیر کی وادی میں قدم رکھنا اپنے آپ کو گمراہی کے راستہ پر ڈال دینے کے مترادف ہے۔

جواب: قرآن کریم میں ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کیے گئے ہیں، مثلاً دنیا کی ناپائیداری، جنت ودوزخ کے حالات، خوف خدا اور فکر آخرت پیدا کرنے والی باتیں اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادھے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں اور جو شخص عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات

کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ "لِلذِّكْرِ" (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کما حقہ سمجھنا اور ان سے احکام ومسائل سے مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی اور عربی سمجھنے کے لیے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے۔

علامہ سیوطیؒ نے امام ابوعبدالرحمن سلمیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے کہ:

فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيعاً (69)

ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔

چنانچہ موطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے اور مسند احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا، ہماری نگاہوں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا تھا۔(70)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعروادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہوجایا کرتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل

مدت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہو جائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔

اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو عربی زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود ''عالم قرآن'' بننے کے لئے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزول قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شد بد پیدا کر کے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم و دین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ فِي النَّارِ (71)

جو شخص قرآن کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اور یہ ارشاد بھی کہ:

مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقُرآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ۔

جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔(72)

● قرآن وحدیث سے فائدہ اٹھانے کے لیے اہلیت کی صفات مقرر کرنا اجارہ داری نہیں

سوال: بعض لوگ یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ قرآن کریم تمام انسانوں کے لئے ایک ہدایت کی کتاب ہے، لہٰذا ہر شخص کو اس سے اپنی سمجھ کے موافق فائدہ اٹھانے کا حق حاصل

ہے اور اس کی تشریح وتفسیر پر صرف علماء کی ''اجارہ داری'' قائم نہیں کی جاسکتی۔

جواب: یہ انتہائی سطحی اور جذباتی اعتراض ہے جسے حقیقت پسندی اور معاملہ فہمی سے دور کا بھی واسطہ نہیں، قرآن کریم بلاشبہ انسانوں کے لئے سرمایہ ہدایت ہے لیکن اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ ہر ان پڑھ جاہل بھی اس سے دقیق قانونی اور کلامی مسائل کا استنباط کرسکتا ہے اور اس مقصد کے لئے کسی قسم کی صفات اہلیت درکار نہیں ہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کوئی ماہر قانون، فلسفی، یا ڈاکٹر اگر اپنے فن پر کوئی کتاب لکھتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا منشاء پوری انسانیت کو فائدہ پہنچانا ہی ہوتا ہے، اب اگر کوئی ایسا شخص جو ان علوم وفنون کے مبادی سے واقف نہیں ہے کھڑا ہو کر یہ اعتراض کرنے لگے کہ یہ کتابیں تو پوری انسانیت کے فائدے کے لیے لکھی گئی تھیں، ان پر ماہرین قانون، فلسفیوں اور ڈاکٹروں نے اپنی اجارہ داری کیوں قائم کرلی ہے؟ تو اس کی عقل پر ماتم کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ اگر کسی کتاب سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کے لئے اہلیت کی کچھ صفات مقرر کرنا ''اجارہ داری'' قائم کرنے کی تعریف میں آتا ہے تو پھر دنیا کے کسی علم وہنر کو جاہلوں اور اناڑیوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا، دراصل علم وفن کی ہر کتاب انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہوتی ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے دو ہی طریقے ہیں یا تو انسان اس علم وفن کو باقاعدہ ماہر اساتذہ سے حاصل کرے اور اس کے لئے جو محنت اور جتنا وقت درکار ہے اسے خرچ کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو جن لوگوں نے اس علم وفن کو حاصل کرنے کے لئے اپنی عمریں کھپائی ہیں ان میں سے جس پر زیادہ اعتماد ہو اس کی تشریح وتفسیر پر بھروسہ کرے، ان دو راستوں کے علاوہ جو شخص کوئی تیسرا راستہ اختیار کرے گا وہ اپنے اوپر بھی ظلم کرے گا اور متعلقہ علم وفن پر بھی، بالکل یہی معاملہ قرآن وسنت کا بھی ہے کہ وہ بلاشبہ پوری انسانیت کے لئے دستور ہدایت ہیں لیکن ان سے ہدایت حاصل کرنے کے بھی دو ہی طریقے ہیں یا تو انسان ان علوم کو ماہر اساتذہ سے باقاعدہ حاصل کرکے ان میں پوری بصیرت پیدا کرے یا پھر ان لوگوں کی

تشریح وتفسیر پر اعتماد کرے جنہوں نے اپنی زندگیاں ان علوم کے لئے وقف کی ہیں اس سو فی صد معقول اصول کو جس پر دنیا کے ہر علم وفن کے معاملے میں عمل کیا جاتا ہے، ''اجارہ داری'' کا طعنہ دینا سوائے سطحی جذباتیت کے اور کیا ہے؟ کیا ساری دنیا میں صرف قرآن وسنت ہی (معاذ اللہ) ایسے لاوارث رہ گئے ہیں کہ ان سے مسائل مستنبط کرنے کے لئے اہلیت کی کوئی شرط درکار نہیں ہے؟ اور ان پر ہر کس وناکس مشق ستم کر سکتا ہے؟

● علماء اور پاپائیت میں فرق (علماء کی نہ مخصوص نسل و تنظیم نہ محدود تعداد نہ معصوم اور نہ تنقید سے بالاتر)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں ''پاپائیت'' کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ بات عیسائی مذہب کا خاصہ ہے کہ اس میں بائبل کی تشریح وتفسیر کا حق صرف پوپ کو حاصل ہوتا ہے اور کسی دوسرے شخص کو اس سے مجال اختلاف نہیں ہوتی، اسلام نے پاپائیت کی جڑ کاٹی ہے، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دین فطرت میں بھی قرآن کریم کی تفسیر کا سارا حق علماء کے ایک مخصوص طبقے کے حوالے کر دیا جائے؟

جواب: یہ اعتراض بھی پاپائیت اور علماء اسلام دونوں کی بات کو غلط سمجھنے کا نتیجہ ہے، ''علماء'' کسی ایسے مخصوص طبقے یا گروہ کا نام نہیں ہے جس کی بنیاد رنگ ونسل، ذات پات، مال ودولت یا جاہ ومنصب کی خاص شرائط پر ہو، نہ ''علماء'' کسی ایسی لگی بندھی تنظیم کا نام ہے جس کا رکن بنے بغیر انسان ''عالم'' کہلانے کا مستحق نہ ہو بلکہ علم وفضل اور سیرت وکردار کی کچھ مخصوص صفات کا حامل ہر شخص عالم دین ہے، خواہ وہ کسی خطے سے تعلق رکھتا ہو، کوئی زبان بولتا ہو اور نسب کے اعتبار سے کسی بھی خاندان سے وابستہ ہو۔(73)

اس مختصر سے تعارف کے بعد پاپائی نظام کا موازنہ علماء اسلام سے کیجئے تو دونوں میں زمین وآسمان کا تفاوت ہے، علماء اسلام کی نہ کوئی لگی بندھی تنظیم ہے، نہ کوئی فرد واحد مذہبی معاملات میں حاکم اعلیٰ نہ کوئی شخص معصومیت اور غلطیوں سے پاک ہونے کا دعویدار ہے، نہ علماء کی کوئی

مخصوص تعداد مقرر ہے جس پر اضافہ نہ ہوسکتا ہو، نہ کوئی شخص (عالم) دوسرے علماء کی تنقید سے بالاتر ہے، نہ عالم کے منصب پر فائز ہونے کے لئے کسی فرد واحد کی اجازت اور منظوری درکار ہے، نہ اس منصب کے لئے کسی رنگ ونسل یا زبان ووطن کی کوئی قید ہے بلکہ تاریخ اسلام میں اکثر سیاست عربوں کے پاس رہی لیکن علماء عجمیوں بلکہ غلاموں کے خاندان سے پیدا ہوتے رہے اور پورا عالم اسلام ان کے علم وفضل اور تقدس وتقویٰ کا لوہا مانتا رہا، لہٰذا جب یہ بات کہی جاتی ہے کہ قرآن وسنت کے علوم میں دخل اندازی کے لئے ان علوم میں بصیرت ومہارت درکار ہے تو اس پر ''پاپائیت'' کا الزام عاید کرنا حقیقت اور انصاف کے ساتھ ایک سنگین مذاق کے سوا کچھ نہیں، اس کے بجائے درحقیقت دینی علوم کی مثال دوسرے علوم کی سی ہے، جس طرح دنیا کے تمام علوم فنون کے بارے میں کسی شخص کی بات اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوسکتی جب تک اس نے اس متعلقہ علم کو ماہر اساتذہ سے حاصل کرکے ان پر عملی تجربہ حاصل نہ کیا ہو، اسی طرح قرآن وسنت کی تشریح وتفسیر میں کسی کی بات اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک اس نے متعلقہ علوم کو باقاعدہ حاصل کرکے ماہر اساتذہ کے زیر نگرانی ان کا عملی تجربہ نہ کیا ہو، اگر اس بات کو کوئی شخص ''پاپائیت'' سے تعبیر کرتا ہے تو دنیا کا کوئی علم وفن اس ''پاپائیت'' سے خالی نہیں ہوسکتا۔(74)

باب:2

استاذ بنانے سے پہلے تحقیق چھان پرکھ ہو

● جن سے علم دین سیکھنا ہے ان کی تحقیق کریں

سوال : یہ ٹھیک ہے کہ دین کا علم صرف کتابوں سے سیکھنا غلط ہے بلکہ استاد کا ہونا ضروری ہے لیکن استاد جو اور جیسا بھی ہو اس سے بلا تحقیق دین کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے یا اس کی کچھ شرائط ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟

جواب: یہاں تین قسم کے لوگ ہیں:

پہلا طبقہ: ایک تو وہ ہیں جو کہتے ہیں بھئی سب صحیح ہیں ہم تو سب کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں ہم تو سب کو سنتے ہیں، ہم تو سب کے پاس بیٹھتے ہیں۔

بلکہ بعض اس سے بھی آگے بڑھ کر وحدت ادیان کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ تمام مذاہب کا مقصود ایک ہی ہے گو راستے الگ الگ ہیں۔

● یہ سوچ کہ یہ سب صحیح ہیں، صحیح نہیں

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ سب ہی حق ہے باطل ہے ہی نہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا:

وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً۔ (75)

میری امت میں 73 فرقے ہو جائیں گے ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے۔

اور فرمایا:

آخری زمانہ میں بہت سے جھوٹے مکار لوگ ظاہر ہوں گے جو اسلام کے نام پر

نئے نئے نظریات پیش کریں گے۔(76)

گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ فرمائیں دین کے بارے میں اہل حق بھی ہوں گے اہل باطل بھی اور یہ طبقہ دینی رواداری میں اتنا آگے نکل جائے کہ بھئی سب کا سب حق ہی حق ہے۔

- **اور وحدت ادیان کی سوچ بھی صحیح نہیں**

دین اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، جو شخص اللہ کے رسول پر ایمان نہ لائے اور ان کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے وہ نجات نہیں پا سکتا کوئی یہودی ہو یا نصرانی، بدھ مت ہو یا پارسی، ہندو ہو یا اور کسی مذہب کا پیرو اس کی نجات صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ کوئی کیسا ہی عبادت گزار اور تارک دنیا اور ریاضت ومجاہدہ والا ہو اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو ہمیشہ کے لیے دوزخی ہوگا۔ اس کی نجات کبھی نہ ہوگی۔(77)

- قرآن کریم میں ہے:

(1) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔(آل عمران:85)

جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

(2) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔(آل عمران:31)

اے نبیؐ! (جو لوگ آپ کی شریعت کا اتباع اختیار کیے بغیر اللہ کو چاہتے ہیں اور اس کی بخشش حاصل کر سکنے کی خام خیالی میں مبتلا ہیں ان سے) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم واقعۃً اللہ کو چاہتے ہو تو (اس کے سوا اب اس کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ)

میری شریعت کی پیروی اختیار کرو (اگر ایسا کروگے تو) اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا (اور اگر تم میری پیروی اختیار نہیں کروگے تو اللہ کی محبت اور مغفرت کے مستحق نہیں ہوسکوگے)۔(78)

(3) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (سبا28)

اور (اے پیغمبرؐ!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لیے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے اور خبردار بھی کرے لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رہے ہیں۔

● حدیث میں ہے:

عَن أَبِي هُرَيرَةَ عَن رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: وَالَّذِي نَفسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسمَعُ بِي أَحَدٌ مِن هَذِهِ الأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَم يُؤمِن بِالَّذِي أُرسِلتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِن أَصحَابِ النَّارِ۔(79)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، اس امت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت ورسالت کی دعوت اس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا۔''

تشریح: اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود ونصاریٰ جیسے مسلّم اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات نہیں پاسکتے تو دوسرے کافروں، مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہرحال حدیث کا مضمون عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دور محمدی میں (جو حضور ﷺ کی بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ کی نبوت ورسالت

کی دعوت پہنچ جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے اور اسی حال میں مرجائے تو وہ دوزخ میں جائے گا اگر چہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، الغرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی شریعت کو قبول کیے بغیر نجات ممکن نہیں۔ ہاں جس بے چارہ کو آپؐ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک و شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔(80)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارٰى مُتَمَسِّكًا بِالْإِنْجِيْلِ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَاةِ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَ فِي النَّارِ۔(81)

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے اور اسی طرح ایک یہودی شخص ہے جو تورات کے احکام پر چلتا ہے اور وہ اللہ پر اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا تو فرمایئے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سن لیا (یعنی میری دعوت اس تک پہنچ گئی) اور اس کے بعد بھی اس نے میری پیروی اختیار نہیں کی تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ والی اوپر کی حدیث سے بھی زیادہ واضح ہے، اس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اللہ کو اور اس کے رسول کو

مانتا بھی ہو(یعنی توحید کا قائل، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی تصدیق کرتا ہو) مگر پیروی آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بجائے تورات اور انجیل ہی کی کرتا ہو اور اسی کو اپنی نجات کے لیے کافی سمجھتا ہو تو وہ نجات نہیں پا سکے گا۔(82)

- **عقلی طور پر بھی یہ نظریہ اور سوچ درست نہیں**

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ جب ایک غیر مسلم کے اعمال واخلاق اچھے ہیں تو پھر وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟

یہ اعتراض حکومت پر کیوں نہیں کرتے کہ جب ایک باغی مہذّب ہے بغاوت کے علاوہ کوئی قانونی جرم بھی نہیں کرتا پھر اس کو کیوں سزا دی جاتی ہے۔ اس کے سزاوار ہونے کی وجہ یہی تو ہے کہ جب وہ باغی ہے تو اس کے سارے کمالات حکومت کی نگاہ میں ہیچ در ہیچ ہیں، بس اسلامی قانون بھی ایسا ہی ہے۔(83)

- **علماء کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا کہ سب ہی غلط ہیں سب کو چھوڑ دو یہ بھی غلط ہے۔**

دوسرا طبقہ: وہ ہے جو یہ دیکھتے ہیں کہ علماء میں آپس میں سخت اختلاف ہے کوئی ایک بات کو حرام کہتا ہے تو دوسرا اس کو جائز کہتا ہے، کوئی ایک بات کو سنت کہتا ہے تو دوسرا اسے بدعت بتلاتا ہے، اب کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں یا تو سب پر عمل کریں یہ تو غیر ممکن ہے یا ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں تو ترجیح کی بنیاد کیا ہو؟ لہذا بعض نے تو یہ فیصلہ کیا کہ سب کو چھوڑ دو۔

- **دنیاوی علوم کے ماہرین وکلاء، حکیموں، ڈاکٹروں کے اختلاف کے وقت ایک کو ترجیح کیوں دیتے ہیں دونوں فریقوں کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟**

حضرت تھانویؒ جواب میں فرماتے ہیں:

آپ کا یہ فیصلہ کہ علماء کے باہمی اختلاف کی وجہ سے سب ہی کو چھوڑ دو مجھے اس کی تو

شکایت نہیں مگر رونا اس کا ہے کہ جب یہی صورت دنیاوی علوم کے ماہرین میں پیش آئی تو وہاں آپ یہ فیصلہ کیوں نہیں کرتے وہاں کسی ایک کو ترجیح دے کر کیوں پکڑ لیتے ہیں یعنی بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی مریض کے علاج میں حکیموں اور ڈاکٹروں کی رائے مختلف ہوتی ہیں، کوئی مرض کی کچھ تشخیص کرتا ہے، کوئی کچھ اور، ہر ایک اپنی رائے کو صحیح بتلاتا ہے اور دوسروں کی رائے پر عمل کرنے کو مریض کے لیے مہلک بتلاتا ہے، وہاں آپ سب حکیموں کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے اور یہ کیوں نہیں کہتے کہ افسوس حکیموں ڈاکٹروں میں اتفاق ہی نہیں اب ہم کس کا علاج کریں بس جاؤ مریض کو مرنے دو۔ ہم کسی کا بھی علاج نہیں کرتے وہاں ایک حکیم یا ڈاکٹر کو ترجیح دے کر اس کا علاج کیوں کرتے ہیں؟

اسی طرح اپنے وکلاء کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیوں نہیں کرتے جو علماء کے ساتھ کرتے ہیں، کیا وکلاء میں آپس میں اختلاف نہیں ہوتا، ہوتا ہے اور یقیناً ہوتا ہے پھر وہاں ایک وکیل کو دوسرے پر کیوں ترجیح دی جاتی ہے اور سب کو کیوں نہیں چھوڑا جاتا اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟

● ضروری باتوں کو اختلاف کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاتا غیر ضروری باتوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے

لیجیے میں ہی اس کو جواب بھی دے دیتا ہوں جو ایک گہری بات ہے وہ یہ کہ دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کو ضروری سمجھا جائے دوسرے وہ جن کو ضروری نہ سمجھا جائے۔ جن باتوں کو ضروری سمجھا جاتا ہے ان کو تو کسی اختلاف کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں آدمی اپنی عقل سے تدبیر سوچتا ہے اور باوجود اختلاف کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے لیتا ہے اور جن باتوں کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ان کو اختلاف وغیرہ کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے وہاں تدبیر وغور وفکر سے ایک کو ترجیح دینے کی مشقت گوارا نہیں کی جاتی، یہ قاعدہ ہے انسانی طبیعت کا۔

● جان کی قدر ایمان سے زیادہ ہے

اسی کے مطابق یہاں عمل کیا گیا ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں جان اور ایمان، جان کو چونکہ عزیز سمجھا جاتا ہے اس لیے اس کی صحت وحفاظت کے اسباب میں اختلاف

ہونے سے سب کو ترک نہیں کیا جاتا بلکہ وہاں یہ قاعدہ نکالا جاتا ہے کہ اہلِ کمال (ماہرین محققین) میں تو اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہیے ہم اپنی عقل سے اور اپنے خیر خواہوں سے دریافت کریں گے کہ ان سب حکیموں اور ڈاکٹروں میں کون سب سے زیادہ ماہر ہے، بس اس کا علاج اختیار کرلیں گے اور ایمان کو چونکہ عزیز نہیں سمجھا جاتا اس لیے علماء کے اختلاف میں عقل سے کام لینا اور غور وفکر کی محنت برداشت کرنا گوارا نہیں کیا جاتا۔

تو اے دوستو! اگر آپ ایمان کو بھی عزیز سمجھتے تو علماء میں بھی اسی طرح انتخاب کرتے جس طرح حکیموں، ڈاکٹروں میں کیا جاتا ہے مگر افسوس آپ کو ایمان عزیز نہیں اس لیے سب کو چھوڑ دیتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ اس اختلاف میں مولویوں کی خطا نہیں ہے بلکہ ضرور ہے اور آگے میں یہ بھی بتلادوں گا کہ ان میں سے خطا کس کی ہے، کس کی نہیں مگر آپ سے اتنی شکایت ضرور کروں گا کہ اس اختلاف کی وجہ سے سب کو چھوڑ دینا یہ غلط رائے ہے جو ایمان کو عزیز نہ سمجھنے کی علامت ہے۔

● نااتفاقی علی الاطلاق جرم نہیں جو ناحق ہو وہ جرم ہے

بعض لوگ اس اختلاف کو دیکھ کر علماء کو رائے دیتے ہیں کہ سب مولویوں کو متفق ہوجانا چاہیے نااتفاقی بُری چیز ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا نااتفاقی علی الاطلاق جرم ہے یا اس کے لیے کوئی قید بھی ہے، اگر نااتفاقی علی الاطلاق جرم ہے اور اس کی وجہ سے ہر فریق مجرم ہوجاتا ہے تو عدالت کو چاہیے کہ جب اس کے پاس کوئی مدعی دعویٰ پیش کرے تو مقدمے کی تحقیق سے قبل ہی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو سزا سنادیا کرے کیونکہ دعویٰ اور اس کے انکار سے دونوں فریق میں نااتفاقی کا ہونا ثابت ہوگیا اور نااتفاقی علی الاطلاق جرم ہے تو مدعی اور مدعا علیہ دونوں مجرم ہوئے، اب عدالت ایسا کرے تو سب سے پہلے آپ ہی مخالفت کریں گے اور دنیا بھر میں شوروغل مچادیں گے کہ یہ کون سا انصاف ہے؟ کہ مقدمے کی تحقیق سے پہلے ہی دونوں کو مجرم بنادیا گیا۔ اب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ پھر کیا کرنا چاہیے تھا تو آپ عاقل بن کر یہ رائے دیں گے کہ عدالت کو تحقیق کرنا چاہیے تھا کہ مدعی اور مدعا علیہ میں جو باہم اختلاف ونااتفاقی ہے

ان میں سے حق پر کون ہے اور ناحق پر کون ہے، جو حق پر ہو اس کی حمایت کرنی چاہیے تھی اور جو ناحق پر ہوتا اس کو سزا دینی چاہیے تھی، لیجیے آپ ہی کے فیصلے سے ثابت ہوگیا کہ نااتفاقی علی الاطلاق جرم نہیں بلکہ نااتفاقی وہ جرم ہے جو ناحق ہو اور جو نااتفاقی اور اختلاف حق ہو وہ جرم نہیں اور اگر کسی معاملے میں دو فریق ہو جائیں تو ہر فریق کو مجرم نہیں کہا جا سکتا بلکہ جس کی مخالفت ناحق ہو وہ مجرم ہے اور جو حق پر ہو وہ مجرم نہیں۔ پس علماء کی باہم نااتفاقی اور اختلاف سے آپ کا سب کو مجرم بنانا اور ہر فریق سے یہ کہنا کہ دوسرے سے اتفاق کرلو غلط رائے ہے بلکہ پہلے آپ کو تحقیق کرنا چاہیے کہ حق پر کون ہے ناحق پر کون ہے پھر جو ناحق پر ہو اسے مجرم بنایئے اور اس کو اہل حق کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور کریں۔**(84)**

آپ جو دونوں فریقوں کو اتفاق کا کہتے ہیں تو خود بتلایئے حق والا باطل والے کے ساتھ کیسے اتفاق کرے، دونوں طرف سے اگر اتفاق ہوگا تو عقلاً اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(1) ایک یہ کہ حق والا حق کو چھوڑ دے اور دونوں باطل پر ہو جائیں یعنی دین دار دین کو چھوڑ کر بددین ہو جائے۔ (2) ایک یہ کہ دین دار تو دین پر قائم رہے اور بے دین بددینی کو چھوڑ دے۔ (3) تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ تو دین دار دین کو چھوڑ دیں اور کچھ بددین بددینی کو چھوڑ دیں اس طرح دونوں طرف سے اتفاق ہوسکتا ہے اب عقلاء خود فیصلہ کرلیں کہ ان میں سے کون سی صورت عقل کے مطابق ہے، یقیناً صرف دوسری ہی صورت کو عقل کے مطابق کہا جاوے گا کہ دین دار تو دین پر قائم رہیں اور بددین بددینی کو چھوڑ دیں اور اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ دین دار کو بددین سے نااتفاقی کا حق ہے مگر بددین کو دین دار سے نااتفاقی کا حق نہیں بلکہ اس کو دین دار کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے۔

دوستو! یہ وہ تفرقہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں پیدا کیا ہے کیونکہ آپؐ کی نبوت سے پہلے سب لوگ کفر پر متفق تھے آپ نے آکر اس اتفاق کو توڑ دیا اور باپ بیٹوں کو باہم جدا جدا کر دیا اور یہ وہ تفرقہ اور نااتفاقی ہے جس کو حق تعالیٰ بشارت کے طور پر بیان فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوااللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ۔ (انفال:29)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرقان (افتراق) کو مایۂ بشارت بتلایا ہے جس کو تقویٰ پر مرتب فرمایا ہے اور اس لیے قرآن کا ایک لقب فرقان (حق وباطل میں تمیز اور تفرقہ پیدا کرنے والا) بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل (جڑنے) کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل (کٹنے) کا حکم ہے۔

پس یہ سخت غلطی ہے جس میں لوگ آج کل مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں دونوں کو مورد ملامت بناتے ہیں کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ آپس میں اختلاف کرتے ہو اور دونوں کو باہم اتفاق پر مجبور کرتے ہیں جس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دین دار کو دین چھوڑ کر بددین ہونا چاہیے اور حق والے کو حق چھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے بلکہ مقتضائے عقل یہ ہے کہ جب دو جماعتوں یا شخصوں میں اختلاف ہو تو پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے، اور ناحق پر کون؟ حق متعین ہو جائے تو حق والے سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے اور باطل والے کو اس کی مخالفت سے روکا جائے۔ قرآن میں اس کی ایک جگہ صراحت بھی ہے۔

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ (حجرات:9)

اور اگر آپ کو تحقیق حق کی فرصت یا استعداد نہیں تو آپ سے دخل دینے کو کس نے کہا ہے اپنے گھر بیٹھیے اور تحقیق سے پہلے کسی کو برا نہ کہیے میری آپ سے اتنی شکایت ہے کہ آپ قبل از تحقیق ہی سب کو متفق ہونے کی رائے کیوں دیتے ہیں؟

- **جدید تعلیم یافتہ طبقے کی یہ بات کہ مولوی متفق ہو جائیں تو سارا باہمی نزاع دور ہو جائے**

واقعی یہ ایک قیمتی رائے ہے مگر اس میں ایک غلطی لگی ہے جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں مگر پہلے اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کیونکہ آج کل بغیر مثال کے لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔

مثال: اس وقت یہ بات سب کوتسلیم ہے کہ اہل مغرب آج کل سب سے زیادہ متمدن ہیں، بالخصوص انگریز کہ دنیاوی امور میں ان کی عقل وفہم سب سے زیادہ حجت سمجھی جاتی ہے۔ان کا ایک قانون ہے کہ جب کوئی عدالت میں جا کر مقدمہ کرے تو جج کواس کی چھان پرکھ کرتا ہے، شہادت اور ثبوت طلب کرتا ہے اور طرفین کے وکلاء میں گفتگو ہوتی ہے اور آخیر تک جج سب کی گفتگو سنتا رہتا ہے پھر اپنی رائے کے موافق کسی ایک کوترجیح دے کر فیصلہ دیتا ہے اور اس درمیان میں ظاہر ہے کہ ہر ایک وکیل اپنے مؤکل کو غالب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور طرفین میں اچھی طرح بحث ومباحثہ ہوتا ہے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کوئی تعلیم یافتہ اس طریقۂ چھان پرکھ میں اس جج کو ظالم کہے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر ایک شخص اس کوانصاف کے موافق سمجھتا ہے پس اگر نااتفاقی بُری چیز ہے تو ان فریقین کے وکلاء کو کیوں نہیں ملامت کی جاتی اور سب سے زیادہ اس جج کو ملامت کرنی چاہیے جس نے اپنی عدالت میں نزاع اور بحث ومباحثہ قائم ہونے دی اور اسی پر اپنے فیصلے کی بنیاد ڈالی مگر جب اس مخالفت کو قابل ملامت نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کوعین عدل وانصاف کہا جاتا ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مخالفت اور نااتفاقی مطلقاً بُری نہیں بلکہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے معاملہ کی تحقیق کی جائے؟ اور تحقیق سے پہلے دونوں فریقوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کی جائے اور تحقیق کے بعد جو حق معلوم ہو اس کا ساتھ دیا جائے اور جو ناحق پر ہو اس کو ملامت کیا جائے یہ کیا کہ دونوں کو ملامت کی جاتی ہے اور دونوں کو اختلاف چھوڑنے اور اتفاق کر لینے کی ترغیب دی جاتی ہے، ہر معاملہ میں ایسا اتفاق ممکن نہیں ہوا کرتا اگر جج بھی ایسا ہی کرے کہ دونوں فریق کو ملامت کرنے لگے تو کیسے کام چلے گا مگر دنیاوی معاملات میں یہ جدید تعلیم یافتہ بھی اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتے اور ہمیشہ ایک فریق کا جو حق پر معلوم ہو ساتھ دیا کرتے ہیں پھر دین کے بارے میں یہ قاعدہ کیوں نہیں برتا جاتا اس سے ایک اہم بات معلوم ہوئی کہ لوگوں کے دلوں میں دین کی وقعت وعظمت بالکل نہیں اس لیے اس کی کچھ فکر بھی نہیں۔

● **اختلاف کی وجہ:**

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر دنیاوی مقدمات کے برابر بھی لوگوں میں مذہب کی رغبت ہوتی تو ہمیشہ حق والے کی مدد کرتے یہ کیا کہ زید کو بھی ملامت عمر کو بھی ملامت، اس کو بھی اتفاق کی ترغیب اُس کو بھی۔ آخر کس بات میں دونوں متفق ہوں، کس بات کو قبول کریں۔ اگر کوئی ایسی بات ہو جس میں اتفاق ہو سکے تو خیر۔ جب اعتقاد کا اختلاف ہے، ایک فریق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی سمجھتا ہے دوسرا فریق ایسا نہیں سمجھتا۔ ایک فریق ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو فقیہ مجتہد سمجھتا ہے دوسرا ان کو مخالف خدا اور رسول جانتا ہے۔ تو اب آپ ہی بتلائیں کہ اتفاق کی کیا صورت ہو؟ دونوں کے عقائد میں تضاد ہے اب سوائے اس کے کہ ایک فریق اپنا عقیدہ بدلے اس کے سوا کوئی صورت اتفاق کی نہیں اپنے اپنے عقیدے پر قائم رہ کر اتفاق ہرگز ممکن نہیں، البتہ اگر مذہب وعقیدہ کوئی ضروری چیز نہ ہو تو پھر واقعی ہو سکتا ہے مگر اس کو کوئی عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

مثال: دوسرے اس طریقہ پر دنیاوی امور میں بھی عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک شخص نے مجلس میں ایک بات کہدی تو اس میں بھی دو چار اختلاف کرنے والے ہو جائیں گے اب اگر دونوں فریق کو ملامت کی جائے اور اتفاق کی ترغیب دی جائے تو سو قیامتیں آجائیں گی مگر اتفاق ناممکن ہوگا۔

پس یہ طریقہ تو ایسا ناتمام ہے کہ نہ دین میں کارآمد اور نہ دنیا میں۔ اب میں بتلاتا ہوں کہ اتفاق کیسے ہو سکتا ہے، پہلے آپ خود تحقیق کیجیے کہ حقیقت کیا ہے پھر جو حق بجانب ہو اس کا ساتھ دیجیے اور دوسرے کو ملامت کیجیے اور پہلے کا تابع بنائیے یہ جو دونوں کو ملامت کی جاتی ہے سخت غلطی ہے۔

اس زمانے میں لوگوں کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ وہ اتفاق کو محمود (پسندیدہ) اور اختلاف کو مذموم (ناپسندیدہ) سمجھ کر علماء کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپس میں اتفاق کرلو۔ پس ان کی اتنی بات تو قابل تسلیم ہے کہ نزاع واختلاف واقعی بُری چیز ہے اس کے زائل کرنے کا جو طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ دونوں کی ملامت کر کے اتفاق کی دونوں کو ترغیب کی جاتی ہے یہ بالکل سراسر عقل کے اور فطرت کے خلاف ہے، کیونکہ اس کے تو یہ معنی ہوئے

کہ باطل والے کچھ حق والوں کا اتباع کریں اور حق والے کچھ باطل والوں کا اتباع کرے کہ پہلے ایک فریق جو خالص حق پر تھا تو اب وہ بھی باطل کا پیروکار ہو، اس کو فطرت انسانیہ کبھی تسلیم نہیں کرسکتی۔

عجیب بات ہے کہ یہ لوگ خلافِ فطرت کی تعلیم کو ہمیشہ نا قابل اشاعت سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ فطرت کے دعویدار ہیں مگر دین میں نہ معلوم وہ فطرت کہاں چلی جاتی ہے کہ خود خلاف فطرت کی تعلیم دیتے ہیں۔**(1/85)**

- **نیز سب علماء غلط ہوں یہ اس لیے بھی صحیح نہیں کہ قرآن کریم میں ہے:**

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْن (توبہ:119)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو اپنی صحبت سچے (اہل حق) لوگوں کے ساتھ رکھنی چاہیے جو زبان کے بھی سچے ہوں اور عمل کے بھی سچے ہوں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ شریعت یہ کہے کہ اہل حق کے ساتھ رہو اور دنیا میں اہل حق کا وجود ہی نہ ہو ایسے تو شریعت کا حکم ہی لغو ہو جائے گا۔

الغرض جب یہ واضح ہو گیا کہ دین سکھانے والوں میں نہ سب غلط ہیں نہ سب صحیح ہیں بلکہ صحیح بھی ہیں اور غلط بھی ہیں لہذا کون صحیح کون غلط ہیں، تحقیق کرنا ضروری ہے۔ بلا تحقیق ہر شخص سے دین کا علم حاصل کرنا کہ کسی بھی اسکالر سے جو دین کی بات سنی اُسی کو دین سمجھ لیا، یہ جائز نہیں بلکہ جس سے علم حاصل کیا جا رہا ہے ان کی چھان پرکھ، تحقیق اور جستجو ضروری ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ: ہمارا دین ہمیں خود حکم کرتا ہے کہ بے تحقیق باتوں پر عمل نہ کیا جائے، تحقیق کی جائے۔

- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (حجرات:6)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ۔''

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیات کی شان نزول میں خبر دینے والا شیطان تھا جو انسان کی شکل میں آیا تھا۔اس لیے علم دین حاصل کرنے سے پہلے استاد کی تحقیق کرنا ضروری ہے تاکہ کسی غلط نظریہ والے انسان سے جھوٹی باتیں نہ سیکھی جائیں۔(85/2)

شیخ الاسلام علامہ عثمانی فرماتے ہیں:

اکثر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لیے اول اختلاف وتفریق کے اس سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یونہی بے تحقیق قبول نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ دین ودنیا میں سارے فسادات کی بنیاد عدم تحقیق ہے اگر دنیا میں بے تحقیقی باتوں پر عمل کیا تو دنیا کا نقصان ہوگا اور اگر دین میں بے تحقیقی باتوں پر عمل کیا تو دین برباد ہوگا۔(86)

● نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيْلًا .(النساء:83)

(اللہ تعالیٰ نے منافقین کی عادت بیان فرمائی) اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی واقعہ پہنچتا ہے تو وہ (بلاتحقیق) اس کو مشہور کردیتے ہیں (جس سے نقصان ہوجاتا ہے) اگر وہ اس (واقعہ) کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولوالامر کی طرف لوٹاتے (تو بہتر ہوتا) تاکہ جو لوگ اس کی حقیقت اور تہہ کو پہنچ

سکتے ہیں وہ اس کو جان لیتے۔اگر اللہ کا خاص فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم شیطان کے تابعدار بن جاتے مگر بہت کم۔''(87)

اب اس آیت کریمہ میں جہاد میں امن وخوف کے وقت بلاتحقیق کسی بات اورخبر پرعمل کی مذمت بیان کی گئی اور تحقیق وجستجو کی تلقین فرمائی گئی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ مسلمان کو صرف جہاد کے وقت ہی امن وخوف لاحق نہیں ہوتا بلکہ اس سے زیادہ خوف دین اور شریعت میں ہوتا ہے کہ جو بات دین کی عقائد،عبادات،معاملات وغیرہ کے متعلق میں نے پڑھی،سنی یا کسی نے مجھے بتائی ہے وہ صحیح ہے یا غلط،سنت ہے یا بدعت والحاد ہے۔

الغرض جہاد سے متعلق جو احکام شرعیہ میں اُن سے بڑھ کر اُن احکام کی تحقیق کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کے عقائد،عبادات،معاملات وغیرہ سے متعلق ہیں کیونکہ جہاد ایک ہنگامی اور وقتی عبادت ہے اور عقائد،عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، معاملات جیسے نکاح، خرید وفروخت وغیرہ ایک مسلمان کی روزمرہ کی ضروریات میں سے ہیں۔لہٰذا ان میں بدرجہ اولیٰ تحقیق کی ضرورت ہے۔ (88)

● نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا

(الفرقان:73)

اور جب انہیں اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

آیت مذکورہ میں جس طرح اس امر کی سخت مذمت ہے کہ آیات الٰہیہ کی طرف توجہ ہی نہ دیں، اندھے بہروں کا سا معاملہ کریں، اسی طرح اس کی بھی مذمت ہے کہ توجہ تو دیں اور عمل بھی کریں مگر بے سمجھے بے بصیرتی کے ساتھ اپنی رائے سے جس طرح چاہیں عمل کرنے لگیں۔(یعنی بلاتحقیق ہر شخص سے دین کا علم کا حاصل کرنا کہ کسی بھی اسکالر سے جو دین کی بات سنی اسی کو دین سمجھ لیا) ابن کثیرؒ نے ابن عون سے نقل کیا ہے

کہ انہوں نے حضرت شعبیؒ سے پوچھا کہ اگر میں کسی مجلس میں پہنچوں جہاں لوگ سجدہ میں پڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ کیسا سجدہ ہے تو کیا میں بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہوجاؤں۔ حضرت شعبیؒ نے فرمایا نہیں۔ مومن کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ بے سمجھے کسی کام میں لگ جائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ بصیرت کے ساتھ عمل کرے۔ جب تم نے وہ آیت سجدہ نہیں سنی جس کی بناء پر یہ لوگ سجدہ کررہے ہیں اور تمہیں ان کے سجدہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں تو اس طرح ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا جائز نہیں۔(89/1)

● **ایک حدیث میں آتا ہے:**

آخرت میں اللہ تعالیٰ مؤمنین کے سامنے انجانی شکل میں ظاہر ہوں گے اور فرمائیں گے کہ میں تمہارا رب ہوں، تو ایمان والے انجانی شکل میں ہونے کی وجہ سے پناہ مانگیں گے اور کہیں گے:

هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا۔ (89/2)

ہم تو یہیں کھڑے رہیں گے یہاں تک کہ ہمارا رب ہمارے پاس آجائے (لہٰذا جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا ہم اس کو پہچان جائیں گے) چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے آئیں گے اور فرمائیں میں تمہارا رب ہوں تو مومن کہیں گے کہ ہاں! آپ ہمارے رب ہیں۔

محدثین اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن اندھا دھند کسی کے پیچھے چلنے والا نہیں وہ تو ٹھوک بجا کر اور پہچان کر اختیار کرتا ہے۔(89/3)

● **محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں:**

إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ أَيِ الدِّيْنُ لَا يُؤْخَذُ إِلَّا مِمَّنْ أُوْتُمِنَ عَلٰى دِيْنِهٖ۔ (90)

یہ علم دین ہے لہٰذا تم دیکھو کہ کس شخص سے اپنے دین کو حاصل کررہے ہو یعنی جس

شخص کا دین شریعت کی نگاہ میں قابل اعتماد نہیں اس سے دین نہیں سیکھا جائے گا۔

● **حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:**

لاینبغی لمن الھم شیئا من الخیرات یعمل بہ حتی یسمع بہ فی الاثر فیحمد اللہ تعالیٰ اذا وافق السنۃ۔

یعنی جس شخص کے دل میں کوئی امر خیر الہام کیا جائے تو اسے چاہیے کہ اس پر عمل نہ کرے جب تک کہ اس کا آثار کے موافق ہونا معلوم نہ ہوجائے، اگر آثار میں اس کا وجود ملے تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ جو بات اس کے دل میں آئی وہ آثار کے مطابق ہے۔یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بات دل میں آئے اور انسان کو وہ بات اچھی لگے تو اس پر فوراً عمل شروع نہیں کر دینا چاہیے جب تک یہ تحقیق نہ ہوجائے کہ یہ بات سنت کے موافق ہے یا نہیں۔**(91)**

دوسری وجہ: جب مارکیٹ اور بازار میں اصلی اور نقلی ایک نمبر دو نمبر ہر طرح کی چیزیں بکنے لگیں اور فروخت کرنے والوں میں سچے اور جھوٹے ہر قسم کے لوگ ہوں تو خریدار چیز خریدنے میں بہت تحقیق کرتا ہے اور ہر بیچنے والے کی بات پر اعتماد کر کے ہر چیز نہیں خریدتا۔ اسی طرح دین کے بازار میں اصلی اور خالص دین کے ساتھ نقلی، ملاوٹی دو نمبر دین اور دین کے سچے داعی، علماء، فقہاء، محدثین کے ساتھ ایمان کش رہزنوں، دجالوں کی موجودگی کی پیشگی اطلاع چودہ سو سال پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو دے چکے ہیں کہ قرب قیامت میں دین کے نام پر ایسے لوگ سامنے آئیں گے جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کریں گے اور اس کامیابی سے اپنی تحریک کو اٹھائیں گے کہ کسی کو ان کے جھوٹے، دجال ہونے کا وہم وگمان نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بلاشبہ شیطان کسی آدمی کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر لوگوں کے پاس آتا ہے اور انہیں جھوٹ (پر مبنی) کوئی حدیث سناتا ہے، پھر وہ بکھر جاتے ہیں، ان میں سے کوئی آدمی کہتا ہے: میں نے ایک آدمی سے (حدیث) سنی ہے، میں اس کا چہرہ تو پہنچانتا ہوں

پر اس کا نام نہیں جانتا، وہ حدیث سنا رہا تھا۔(92)

- چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان انسان نما شیاطین کے دجل وگمراہی، فتنہ پرور سازشوں اور دجالی طریقہ کار کا تذکرہ کر کے ہوئے فرماتے ہیں:

أُنْظُرُوْا مَنْ تُجَالِسُوْنَ وَعَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ فَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَتَصَوَّرُوْنَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ فِيْ صُوْرَةِ الرِّجَالِ فَيَقُوْلُوْنَ حَدَّثَنَا وَأَخْبَرَنَاوَإِذَا جَلَسْتُمْ إِلٰى رَجُلٍ فَاسْئَلُوْهُ عَنْ إِسْمِهٖ وَإِسْمَ أَبِيْهِ وَعَشِيْرَتِهٖ،فَتَفْقُدُوْنَهٗ إِذَا غَابَ۔(93)

تم لوگ یہ دیکھ لیا کرو کہ کن لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہو؟ اور کن لوگوں سے دین حاصل کر رہے ہو؟ کیونکہ آخری زمانہ میں شیاطین انسانوں کی شکل اختیار کر کے۔۔۔۔انسانوں کو گمراہ کرنے آئیں گے اور اپنی جھوٹی باتوں کو سچا باور کرانے کے لیے من گھڑت سند ین بیان کر کے محدثین کے طرز پر کہیں گے حدثنا واخبرنا مجھے فلاں نے یہ دین کی بات بتائی، مجھے فلاں نے یہ خبر دی وغیرہ وغیرہ۔لہٰذا جب تم کسی آدمی کے پاس دین سیکھنے کے لیے بیٹھا کرو، تو اس سے اس کا، اس کے باپ کا اور اس کے قبیلہ کا نام پوچھ لیا کرو، اس لیے کہ جب وہ غائب ہو جائے گا تو تم اس کو تلاش کرو گے۔

- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَأْتُوْنَكُمْ مِّنَ الْأَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا آبَائُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ(94)

آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے مکار لوگ ہوں گے جو تمہارے سامنے (اسلام کے نام سے نئے نئے نظریات) اور نئی نئی باتیں پیش کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے باپ دادا نے، ان سے بچنا! کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

● حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

عنقریب آخری زمانے میں ایک قوم کا ظہور ہوگا جو نوعمر ضعیف العقل ہوں گے، وہ بظاہر نہایت معقول کام کریں گے، لیکن ان کا ایمان ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، تم انہیں جہاں پاؤ وہیں قتل کر دو کیونکہ انہیں قتل کرنے میں روز قیامت ان کے قاتل کے لیے اجر ہے۔(95)

● حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِيَ الْأَئِمَّةُ الْمُضِلِّيْنَ (96)

مجھے اپنی امت پر گمراہ کرنے والے لیڈروں کا خطرہ ہے (کہ وہ میری امت کو سبز باغ دکھا کر گمراہ کریں گے)

● نیز حدیث ہرقل سے پتہ چلتا ہے اور بڑی رہنمائی ملتی ہے کہ انسان کو جن سے سیکھے بنیادی طور پر کن کن باتوں کی تحقیق کر لے۔ یہ دیکھ لے کہ یہ شخص اس دینی منصب کی وجہ سے یہ اپنی شہرت کا طالب تو نہیں جیسے انہوں نے کہا:

وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ، فَذَكَرْتَ أَنْ لاَ، فَقُلْتُ: لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ، لَقُلْتُ رَجُلٌ يَأْتَسِي بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ۔

میں نے تم سے پوچھا کہ (دعویٰ نبوت کی) یہ بات تمہارے اندر اس سے پہلے کسی اور نے بھی کہی تھی، تو تم نے جواب دیا کہ نہیں، تب میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں سمجھتا کہ اس شخص نے بھی اسی بات کی تقلید کی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے۔

یہ دیکھ لیا جائے کہ اس کی زندگی میں کذب (جھوٹ) اور غدر (دھوکہ) تو نہیں ملتا اور جیسے اس نے کہا:

وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ، فَذَكَرْتَ أَنْ لاَ، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لاَ تَغْدِرُ۔

اور میں نے تم سے پوچھا کہ آیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں۔تم نے کہا نہیں، پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے۔

پھر اس کی جو تعلیمات ہیں وہ کیا ہیں؟ وہ مسلمہ تعلیمات کے موافق ہیں اہل حق اور جمہور کی تعلیمات کے موافق ہیں۔تو اس نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا:

وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ. فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الأَوْثَانِ، وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلاَةِ وَالصِّدْقِ وَالعَفَافِ۔

میں نے تم سے کہا کہ وہ تم سے کس چیز کے لیے کہتے ہیں۔تم نے کہا کہ وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمہیں بتوں کی پرستش سے روکتے ہیں۔سچ بولنے اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں۔(97)

لہٰذا جس طرح ایک انسان دنیاوی نقصان سے بچنے کے لیے کوئی چیز لیتے وقت تحقیق جستجو کرتا ہے ہر ایک پر اعتماد کر کے ہر چیز نہیں لیتا تو دین تو دنیا سے بہت اہم اور اعلیٰ چیز ہے اس کا نقصان دنیاوی نقصان کے مقابلہ میں بہت بڑا ہے اس کے بارے میں یہ رویہ اختیار کرنا کہ ٹی وی پروگرام پر آنے والے ہر اسکالر کی ہر بات پر اعتماد کر لینا اور کسی بھی دینی مسئلہ میں نیٹ پر سرچ کرنے کے بعد جو تحقیق سامنے آئے اس کو سو فیصد صحیح سمجھ لینا انتہائی غیر محتاط رویہ ہے اور دین کو بہت زیادہ نقصان پہنچانے والی بات ہے جو شخص اس طرح دین کی معلومات حاصل کرتا ہے گویا اس کے نزدیک دین کی اتنی وقعت بھی نہیں جتنی دنیا کی ایک معمولی چیز کی ہوتی ہے لہٰذا اس سے خود بھی پرہیز کیا جائے اور اپنی نسل، متعلقین، ماتحت، شاگردوں کو بھی بچایا جائے۔

تیسری وجہ: اگر راستہ پر چلنے والے کسی مسافر کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو راستہ میں اختیار کرنے جا رہا ہوں اس میں دشمن بھی ہے جو مجھے نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیگا تو ایسا شخص اس غیر محفوظ راستہ ہی کو بدل لے گا اور کسی محفوظ راہ سے منزل تک پہنچنے کی کوشش

کرے گا۔

اب جو شخص دین کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس راہ میں بہت سارے دین دشمن مغربی دانشور غیر مسلم مستشرقین کی ایک بڑی کھیپ گھات میں بیٹھی ہے جن کے ناپاک عزائم خود قرآن میں یہ بیان کیے گئے ہیں

- **ہمیشہ لڑنے کے عزائم/مرتد بنانے کی تمنا**

قرآن کریم میں ہے:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (البقرہ:217)

اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ (آل عمران:100)

اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو دوبارہ کافر بنا کر چھوڑیں گے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ (نساء:89)

یہ لوگ چاہتے یہ ہیں کہ جس طرح انہوں نے کفر کو اپنا لیا ہے، اسی طرح تم بھی کافر بن جاؤ۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم ان میں سے کسی کو اُس وقت تک دوست نہ بناؤ۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلاً

(بنی اسرائیل:74)

اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔

- **کلی بدخواہی/نقصانات ومضرت کی تمنا**

قرآن کریم میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَايَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَاعَنِتُّمْ قَدْبَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ (آل عمران:118)

اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔

الغرض یہ مستشرقین (1) اسلام کے بارے میں کتابیں لکھتے ہیں۔ (2) مختلف زبانوں میں دینی کتابوں کے من مانے ترجمے کرتے ہیں۔ (3) مختلف رسائل، مجلّات، اخبارات وجرائد میں۔ (4) کانفرنسوں، سیمینار اور کنونشنوں میں۔ (5) انسائکلو پیڈیاز۔ (6) الیکٹرانک میڈیا (ریڈیو سینما، ٹی وی انٹرنیٹ) پر تحقیق، ریسرچ، انکشاف، اشاعت علم کی آڑ میں مذہب اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ تعمیر نو کے نام پر تخریب کی جاتی ہے اور اسلام کی صحیح شکل وصورت کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں، کہیں سود کے جواز پر تحقیق ہوتی ہے کہیں شراب کی حرمت کو ذہن سے کھرچا جا رہا ہوتا ہے کہیں موسیقی اور رقص وسرور کی اجازت دی جا رہی ہوتی ہے، کبھی اسلامی تعزیرات اور حدود پر ہاتھ صاف کیا جاتا ہے کہیں ڈاڑھی ٹوپی، برقعہ پردہ کو دقیانوسیت شدت پسندی کا نام دیا جاتا ہے پھر مسلمانوں کے دلوں میں اسلام،

ذخیرہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا اور اسلامی ماخذ اور اسلامی شخصیات کی عقیدت کو دلوں سے نکالنا اور مسلمانوں کو ان سے دور کرنا ان کے اہم مقاصد میں شامل ہوتا ہے۔

ان سب کے باوجود دینی علم حاصل کرنے میں تحقیق سے کام نہ لینا ہر چیز بلاتحقیق پڑھنا، ہر اسکالر کو سننا درحقیقت دین وایمان کے ان ڈاکوؤں کو گویا خود یہ موقع فراہم کرنا ہے کہ ہمارے پاس دین وایمان کو جو سرمایہ ہے یہ کوئی اہم نہیں آؤ ہمیں آ کر لوٹ لو۔

● **چند مشہور مستشرقین کا تعارف**

ولیم مور: (1819-1905): یہ مشنری پادری تھا اس کی کتب ''حیاتِ محمد'' اور ''القرآن تالیفہ وتعالیمہ'' بہت مشہور ہیں۔ حیاتِ محمد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جا بجا اعتراضات کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگناز گولڈزیہر: (1850-1921): متعصب یہودی مستشرق تھا۔ استشراق کے مجددین میں شمار ہوتا ہے۔ اسلامی عقائد اور شریعت، قرآن مجید اور حدیث کے بارے میں کئی متعصّبانہ کتب لکھیں جن میں ''تاریخ مذاہب التفسیر الاسلامی'' اور ''العقیدۃ والشریعۃ'' بہت مشہور ہیں۔

تھامس آرنلڈ: (1864-1930): اسے معتدل مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی کتاب دعوتِ اسلام بے حد مشہور ہے۔

اسٹینلے لین پول: (1854-1931): صلاح الدین ایوبیؒ پر معتدل تاریخی کام کرنے کی وجہ سے دنیائے اسلام میں مشہور ہے۔

پرنس لیون کایتانی: (1869-1935): عربی وفارسی کا ماہر اطالوی مستشرق تھا۔ اس کی مشہور تصنیف ''حولیات الاسلام'' جو دس جلدوں میں ہے، تاریخ اسلام میں اکثر مستشرقین کا ماخذ ہے۔

ہنری لامینس:(1862-1937): مسیحی کالج بیروت کا یہ پروردہ مستشرق مشنریوں کا سرکردہ رکن اور اسلام کے بارے میں شدید متعصب تھا۔سیرتِ خلفاء راشدینؓ اور خلفائے بنوامیہ کو داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اے جے ویشک:(1882-1939): ''المعجم المفہرس للحدیث النبویۃ'' اور اس کی تلخیص ''مفتاح کنوز السنۃ'' کو مرتب کر کے عالم اسلام کے اہل علم سے بڑی داد وصول کی مگر اس کی دیگر کتب میں اسلام سے تعصب اور حسد ظاہر ہوتا ہے۔

سموئیل زویمر:(1867-1952): اس امریکن پادری کی اسلام دشمنی ضرب المثل ہے۔ مشنریوں کو اسلام کے خلاف دلائل فراہم کرنے کے لیے درجنوں کتابیں لکھ ڈالیں۔

این میری شمل:(1922-2003): جرمنی کی یہ نامور مستشرقہ عمرانیات، لسانیات اور تاریخ مذاہب کی ماہر تھی۔اقبال اور مولائے رومؒ سے خاص دلچسپی تھی۔فارسی، سندھی، اردو اور ترکی زبانوں کی منتخب شاعری کا انگریزی اور جرمنی میں ترجمہ کیا۔

برنارڈ لوئیس:(1916): دور حاضر کا سب سے بڑا یہودی مستشرق ہے۔تاریخ اسلام، اسماعیلی، حشاشین، عالم عربی کے مسائل اور اسلامی تحریکات پر کئی کتابیں لکھیں۔(98)

سوال: آپ نے کہا کہ بلاتحقیق ہر ایک سے دین کی بات نہ سنی چاہیے نہ سیکھنی چاہیے نہ ہر رائٹر اور لکھنے والے کی کتابیں، دینی مضامین پڑھنے چاہیے۔

جبکہ حدیث میں تو آتا ہے:

الکَلِمَۃُ الحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ، فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ أَحَقُّ بِھَا۔(99)

حکمت کا کلمہ گویا مسلمان کی گم شدہ چیز ہے جہاں اس کو پاوے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

نیز یہ:

انظروا الی ما قال ولا تنظروا الی من قال (100)

یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے یعنی مسیج دیکھو میسنجر کو مت دیکھو۔

اور یہ بھی مشہور مقولہ ہے:

خذ ما صفا ودع ما كدر (101)

سب کو پڑھو اور سنو پھر اچھی اور سچی بات لے لو کھوٹی اور ردی کو چھوڑ و۔

●صفات واہلیت ثابت ہونے کے بعد ذات ونسل،قومیت وطنیت ،رنگ روپ، امیری غریبی کو نہ دیکھو

جواب: مندرجہ بالا حدیث اور مقولہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بلا تحقیق ہر ایک کی ہر بات پڑھو اور سنو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی میں یہ اہلیت ثابت ہو جائے کہ ان سے دین سیکھا جا سکتا ہے یہ واضح ہونے کے بعد اب اس کی بات سنو اور قبول کرو یہ مت دیکھو کہ کس قوم اور برادری کا ہے، امیر ہے یا غریب اور

خذ ما صفا ودع ما كدر (102)

سب کو پڑھو اور سنو پھر اچھی اور سچی بات لے لو کھوٹی اور ردی کو چھوڑ و۔

یہ اجازت دین کے ان ماہرین کو دی گئی ہے جن میں اتنی دینی قابلیت ہو کہ صحیح غلط اور کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکیں یہ ہر عام آدمی کے لیے نہیں ہے، عام آدمی کے لیے وہی حکم ہے کہ وہ استاد کے بارے میں تحقیق کرے جس کے عقلی نقلی دلائل اوپر ذکر کیے جا چکے ہیں۔

●نیز حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے زمانہ میں جو قیامت کے بہت ہی قریب ہے ایک یہ بھی سخت مضرت کی بات ہو گئی ہے کہ ہر شخص خواہ کتنا ہی جاہل، کتنا ہی بددین ہو تھوڑی سی صفائی تقریر وتحریر سے علامہ اور مولانا بن جاتا ہے اور رنگین کپڑوں سے صوفی اور مقتدا بن جاتا ہے عام لوگ ابتداءً ایک عام غلط فہمی کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پھر اپنی ناواقفیت سے ان کا شکار بن جاتے ہیں وہ غلط فہمی یہ ہے کہ عامۃ قلوب میں یہ سما گیا ہے کہ انظرو الی ما قال ولا تنظرو الی من قال(آدمی کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا کہا یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کس نے کہا) حالانکہ یہ مضمون فی نفسہ اگرچہ صحیح

ہے لیکن اس شخص کے لیے ہے جو سمجھ سکتا ہو کہ کیا کہا جو کہا وہ حق کہا یا باطل اور غلط کہا لیکن جو لوگ اپنی ناواقفیت دینی کی وجہ سے کھرے کھوٹے صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکتے ہوں ان کو ہر شخص کی بات سننا مناسب نہیں کہ اس کا نتیجہ مآل کار مضرت ونقصان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی دعویدار اگر ولایت، امامت، نبوت، رسالت حتیٰ کہ خدائی تک کا بھی نعوذ باللہ دعویٰ کرے تو ایک گروہ فوراً اس کا تابع بن جاتا ہے۔(103)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

باب:3

استاذ میں چار باتیں دیکھی جائیں

(1)مسلمان ہو،غیر مسلم نہ ہو

(2)باقاعدہ استاذ سے پڑھا ہو،صرف ذاتی مطالعہ نہ ہو

(3)فن کا ماہر ہو، سطحی علم کا حامل نہ ہو

(4)باعمل ہو،قول وعمل میں تضاد نہ ہو

پہلی بات: مسلمان ہو،غیر مسلم نہ ہو

- **کس بات کی تحقیق کریں**

سوال: یہ بات واضح ہوگئی کہ بلاتحقیق ہر شخص سے دین نہیں سیکھنا چاہیے، مجہول شخص کو نہ پڑھنا چاہیے، نہ سننا چاہیے بلکہ تحقیق کرنا چاہیے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس بات کی تحقیق کرنی چاہیے؟ کن بنیادوں پر کسی کو پرکھنا چاہیے؟ اہل اور نااہل کو کیسے پہچاننا چاہیے؟ وہ کیا نشانیاں اور علامات ہیں جو کسی میں پائی جائیں تو ان کو دینی پیشوا، استاد کا درجہ نہ دیا جائے؟

- **معلم کا دین شریعت کی نگاہ میں قابل اعتماد ہے یا نہیں؟**

جواب: اس بات کی تحقیق کریں کہ جس شخص کا دین شریعت مقدسہ کے نزدیک قابلِ اعتماد نہ ہو۔ یہ شخص (جس کو میں پڑھ رہا ہوں یا سن رہا ہوں) ان میں سے تو نہیں۔ اگر ایسا ہے تو نہ اس کو پڑھیں، نہ سنیں، نہ اس کی صحبت میں جائیں۔

● کن کا علم قابلِ اعتماد نہیں؟

سوال: وہ کون لوگ ہیں جن کا علم شریعت کی نگاہ میں قابل اعتماد نہیں؟

جواب: 1) سوال نمبر 6 کے جواب کے ضمن میں مذکور مغربی دانشور غیر مسلم مستشرقین کے عزائم اور اہداف سامنے آجانے کے بعد دو اور دو چار کی طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مستشرقین اور ان کے خود کاشتہ شاگردوں سے ہرگز علم حاصل نہ کیا جائے نہ ان کی کتب اور تحقیقات کو پڑھا جائے اور نہ ان کو سنا جائے۔

● قرآن پاک میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَاء

(المائدۃ: 51)

اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ۔

یعنی ان پر اعتماد نہ کریں اور ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک اور معاشرت نہ کی جائیں۔

قاضی عیاض سے روایت ہے:

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم دیا کہ آپ نے جو کچھ لیا دیا ہوا ایک چمڑے پر لکھ کر پیش کیجیے، حضرت ابوموسیٰ کا کاتب عیسائی تھا۔ کاتب نے حساب پیش کیا، حضرت عمرؓ نے تعجب کیا اور فرمایا کہ یہ بڑی یادداشت رکھتا ہے، اچھا ہمارا ایک خط شام سے آیا ہے تم اس کو مسجد میں چل کر پڑھ دو، حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا: یہ مسجد میں نہیں جاسکتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا یہ جنبی ہے؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا نہیں ، یہ عیسائی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے مجھے ڈانٹا اور میری ران پر کچوکا مارا اور فرمایا اس کو نکال دو (یعنی غیر مسلم پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا) پھر آیت لاتتخذوا الیھود والنصاریٰ تلاوت فرمائی۔

الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائی سے خط پڑھوانا بھی گوارہ نہیں کیا اور جب تک کسی شخص پر دینی اعتماد نہ ہو یعنی شریعت مقدسہ کے نزدیک اس کا دین قابل اعتماد نہ ہو اس سے

علم نہیں حاصل کرنا چاہیے۔(104)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کو ولی بنانا جائز نہیں یعنی دینی باتوں میں ان پر اعتماد کرنا اوران کے ساتھ احباب جیسا معاملہ کرنا درست نہیں۔(105)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل کتاب کی (ان مذہبی روایات میں) نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ لیا کرو کہ اللہ پر اور جو کچھ اس نے نازل کیا سب پر ہم ایمان لائے۔

- زمانہ کا انقلاب بھی عجیب چیز ہے ہزار برس کی مدت کچھ کم نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے اس میں مسلمانوں کو کیسا عروج نصیب فرمایا تھا، انسانی زندگی کا وہ کونسا شعبہ تھا جس میں امت مسلمہ کو امامتِ اقوام کا منصب حاصل نہ تھا۔ دنیاوی علوم وفنون کا تو ذکر ہی کیا غیروں کو بھی اپنے دینی ومذہبی علوم کے لیے بھی ہمارے آستانے پر آنا پڑتا تھا۔

مشہور مؤرخ علامہ قاضی ابن خلکانؒ شیخ ابوالفتح موسیٰ بن یونسؒ المتوفی 639ھ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان اهل الذمة يقرؤن عليه التوراة والانجيل وشرح لهما هذين الكتابين شرحا يعترفون انهم لا يجدون من يوضح لهم مثله۔(106)

اور ذمی لوگ (یہود ونصاریٰ) ان سے تورات وانجیل پڑھا کرتے تھے، موصوف نے ان دونوں فرقوں کی خاطر ان دونوں کتابوں کی ایسی شرح کی ہے جس کے بارے میں یہ لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں کی ان جیسی شرح کرنے والا کوئی نہیں۔

زمانہ کو بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران:140)

یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔

آخر تاریخ نے اپنا ورق الٹا، دنیا بدلی، حالات ویسے نہ رہے، فاتح مفتوح ہوئے، مخدوم خادم بنے، امام مقتدیٰ اور پیشوا مقتدیوں کی صف میں آ کھڑے ہوئے، کس قدر عبرت کا مقام ہے جس قوم کے آسمانی علوم نے دوسروں کے آسمانی علوم کو منسوخ کر دیا تھا اب وہ اس درجہ گر چکی ہے کہ نہ صرف دنیاوی علوم میں غیروں کی محتاج ہے بلکہ خالص دینی علوم میں بھی ان کے دست نگر بننے میں فخر محسوس کر رہی ہے۔

مسلم یونیورسٹیوں اور جامعات میں اسلامی علوم کا وہ کونسا شعبہ ہے جس کے صدر اور ڈین نے یورپ یا امریکا کے کسی یہودی یا نصرانی مستشرق کی شاگردی نہ کی ہو یا وہ اپنی کسی علمی ریسرچ وتحقیق میں ان مستشرقین کا مرہون منت نہ ہو۔

دوسروں کے علم وتحقیق سے فائدہ اٹھانا کوئی بری بات نہیں لیکن اپنے فکر ونظر کو مغضوبین والضالین (مستشرقین یہود ونصاریٰ) کے بالکلیہ تابع بنا دینا ایسا بدترین جرم ہے جو کسی طرح قابل معافی نہیں۔

مستشرقین کے یہ شاگرد دینی اور علمی اعتبار سے اس قدر پس ماندہ ہیں کہ ان میں آزاد مطالعہ اور تحقیقات کی سرے سے صلاحیت ہی نہیں، ان کی اکثریت اول تو اسلامی ماخذوں سے بے بہرہ ہے اس لیے ان کی رسائی مستشرقین کی تصانیف سے آگے نہیں۔ ذالک مبلغھم من العلم یہی ان کا مبلغ علم ہے اور جو چند افراد انہیں میں سے عربی جانتے بھی ہیں تو انہیں اسلامی علوم میں اتنی مہارت نہیں کہ کسی مسئلہ پر اصولی حیثیت سے نگاہ ڈال سکیں پھر ان کا فکری جسم اور ان کی ذہنی نشونما چونکہ مستشرقین کے دودھ سے ہوئی ہوتی ہے اور انہی کی گود میں یہ پلے بڑھے ہوتے ہیں اس لیے ان کا انداز فکر بحث کے ہر مرحلہ میں وہی ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے سیکھا ہوتا ہے۔ یہ بے چارے لکیر کے فقیر جن کے دل دماغ طالب علمی کے زمانے ہی میں قدم قدم پر ایسے اساتذہ کی تحقیق وریسرچ سے مرعوب ہو چکے ہوتے ہیں ان کی اتنی پرواز کہاں کہ اسلام کے کسی مسئلہ پر اصولی اور متکلم کی حیثیت سے رائے دے سکیں۔

دوسری بات: استاذ نے باقاعدہ پڑھا ہو، صرف ذاتی مطالعہ نہ ہو

- **جس کا علمی سلسلہ نسب روحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا ہوا نہ ہو**

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ غیر مسلم مستشرقین اور ان کے شاگردوں سے دین کا علم نہیں سیکھنا چاہیے بلکہ مسلمانوں سے دین سیکھنا چاہیے اب یہ سمجھیں کہ مسلمانوں میں بھی ہر ایک سے نہیں سیکھنا بلکہ پہلے اس بات کی تحقیق کرلیں کہ جن سے میں علم سیکھ رہا ہوں اس نے خود کس طرح علم حاصل کیا ہے؟ کہیں ان کا علم خودرائی اور ذاتی مطالعہ کی پیداوار تو نہیں؟ اگر ایسا ہے اور علمی سلسلہ سند ان کے پاس کوئی نہیں تو ایسے لوگوں سے ہرگز علم نہ سیکھیں، نہ ان کو پڑھیں، نہ ان کو سنیں کیونکہ شریعت مقدسہ کی نگاہ میں ایسے شخص کے دین پر بالکل اعتماد نہیں کیا جاسکتا جس کا علمی سلسلہ نسب روحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا ہوا نہ ہو۔

- عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

أَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ (107)

اگر دین میں اسناد نہ ہوتو دین ہی باطل ہوجائے جس کا جو جی چاہے گا کہہ مارے گا۔

- حضرت قاری طیب صاحبؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اگر دین میں اسناد نہ ہوتو دین ہی باطل ہوجائے..... لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ..... جس کا جو جی چاہے گا کہہ مارے گا اور کہے گا یہ دین کی بات ہے۔ ہر ایک کو حق ہوگا لیکن جب ہم پوچھیں گے سند کیا ہے؟ کس کے شاگرد ہو؟ وہ کس کے شاگرد ہیں؟ آگے وہ کس کے.....؟ جب تک اسناد پیش نہ کرے گا اس کے علم کو ہم علم نہیں کہیں گے۔ غرض علم میں سب سے بڑی چیز سند ہے۔ (108)

الغرض مستند عالم ہونا ضروری ہے، جس عالم کا بلا انقطاع سلسلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قائم ہوجائے، وہی عالم ہے، اگر آپ دیکھیں اس سے سلسلہ ہی قطع ہوگیا۔ نہ اس نے کسی استاذ

سے تعلیم پائی نہ سند حاصل کی، نہ تربیت حاصل کی اور پھر وہ جو کچھ کہہ رہا ہے تو وہ قوت مطالعہ سے کہہ رہا ہے۔ اپنے نفس کو امام بنا کے کہہ رہا ہے کہ جو میرے نفس نے سمجھ لیا وہ میں کہہ رہا ہوں۔ ظاہر بات ہے وہ مراد ربانی نہیں ہوسکتی، مراد نبوی نہیں ہوسکتی.....اس کے نفس کی مراد ہوسکتی ہے۔

اس نے لفظ اللہ ورسول کے لیے اور معانی اپنے ڈال دیے، لفظ منقول لیے اور معنی غیر منقول لیے، وہ معانی ہمیں مطلوب نہیں جو سند کے ساتھ حضور ﷺ سے منقول ہوکر ہم تک نہ پہنچیں۔(109)

اب جس شخص کا علمی نسب حضور ﷺ سے ملا ہوا نہ ہو تو وہ قابل اعتبار نہیں، وہ مستند عالم نہیں، اس سے علم نہیں لیں گے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے مادی وراثت میں جب تک باپ سے نسب ثابت نہ ہو آپ وارث کیسے بنیں گے؟ پہلے آپ یہ ثابت کریں گے یہ فلاں کا بیٹا ہے تو اس کا جو ترکہ ہوگا وہ اس کو ملے گا اور اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکے اور لوگوں نے کہا کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ اس کے بیٹے نہیں، معلوم نہیں اس کا باپ کون ہے؟ یہ فرضی طور پر کھڑے ہوگئے۔ وراثت نہیں مل سکتی۔ تو وراثت کے لیے نسب کا ہونا ضروری ہے۔ باپ سے سلسلہ نسب ہو تو کہا جائے گا کہ وارث ہے۔

ٹھیک اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کی وراثت علم ہے۔ اس وراثت کا وارث بھی وہ بنے گا جس کا سلسلہ نسب روحانی طور پر نبی کریم ﷺ سے ملا ہوا ہو۔ وہاں مادی نسب ضروری ہے، یہاں روحانی نسب ضروری ہے۔ وہاں بغیر مادی نسب کے وراثت نہیں مل سکتی، یہاں بغیر روحانی نسب کے علمی وراثت نہیں ملے گی۔

تو ہم اس علم کو علم کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی وراثت سے پہنچا ہو، جس علم کا ہماری عقل نے اختراع کیا ہو، سنی سنائی باتیں کہہ رہے ہوں یا کسی ترجمہ میں دیکھ کر کہہ دیں، وہ مستند نہیں سمجھی جائے گی، ایسے آدمی کو عالم نہیں کہا جائے گا۔ عالم کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ

مستند ہو۔ کن اساتذہ سے اس نے علم حاصل کیا ہے؟ اس کا سلسلہ نسب علم میں کہاں پہنچتا ہے؟ اگر نہیں پہنچتا ہم کہیں گے بھئی! تو بے باپ کا بیٹا ہے اور جو بے باپ کا بیٹا ہے وہ وراثت کا مستحق نہیں ہوتا۔ بہر حال سب سے بڑی چیز سند اور استناد ہے۔(110)

● سوچنے کی بات ہے کہ انجینئرنگ کالج سے پڑھ کر نکلنے والا انجینئر بنتا ہے، میڈیکل کالج سے ڈاکٹر نکلتا ہے، انجینئرنگ اور ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا کتنا سمجھدار ہو نہ اس کو کوئی انجینئر سمجھتا ہے، نہ ایسے شخص کو کوئی ڈاکٹر ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے بلکہ اگر ایسا شخص جس نے میڈیکل کالج میں اساتذہ سے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل نہ کی ہو لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے تو اول تو کوئی سمجھدار ایسے شخص سے علاج نہیں کرائے گا اور اگر کچھ لوگوں نے ناسمجھی میں علاج کرالیا اور ان کو فائدہ بھی ہو گیا یا ایسے شخص کی کلینک پر لوگوں کا ہجوم نظر آنے لگا تب بھی سمجھدار لوگ دوسروں کو ایسے شخص کی طرف رجوع کا مشورہ نہیں دیں گے۔ خواہ جزوی طور پر وہ لوگوں کو یہ نہ بتا سکیں کہ اس شخص نے علاج میں کس جگہ غلطی کی لیکن اس کی طرف رجوع کا مشورہ نہ دینے کے لیے تنہا یہ بات بھی کافی ہے کہ اس کو طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے اور ماہر اطباء سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔

اسی طرح علم دین سیکھنے کے لیے بھی ادارے ہیں، بڑے بڑے مدرسے ہیں، مدینہ یونیورسٹی ہے، مکہ مکرمہ میں ام القریٰ یونیورسٹی ہے۔ اب جس شخص نے قرآن وحدیث اور دین کا علم سیکھنے کے لیے نہ ان میں سے کسی ادارہ کی طرف رجوع کیا اور نہ ہی باقاعدہ اساتذہ سے حاصل کیا ایسے شخص کے بارے میں ہر وقت یہ احتمال یا خطرہ رہتا ہے کہ وہ کسی غلط راستہ پر پڑ جائے یا دوسروں کو ڈال دے لہٰذا یہ تحقیق ضرور کی جائے کہ جن کو ہم پڑھ رہے ہیں یا سن رہے ہیں ان کا علم خود رائی اور ذاتی مطالعہ کی پیداوار تو نہیں؟ کس درسگاہ اور ادارہ سے انہوں نے علم حاصل کیا ہے؟ اگر تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو کہ ان کا علم ذاتی مطالعہ کی پیداوار ہے تو ان سے اتنا ہی بچیں جتنا اس طبیب اور ڈاکٹر سے بچتے ہیں جس نے میڈیکل کالج سے تعلیم حاصل

کیے بغیر لوگوں کا علاج شروع کر دیا ہے۔ یاد رکھیں نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان۔

● امام شاطبیؒ اپنی نامور کتاب الموافقات کے مقدمہ ثانیہ عشر میں حصول علم کے طریقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> علم میں استاذ کا وجود بہر حال لازمی ہے۔ نظریاتی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے لیے استاذ کے بغیر علم کا وجود (فی نفسہ) ممکن ہے لیکن عملی طور پر عادۃً استاذ کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا اور یہ بات تقریباً مسلّمات میں سے ہے۔

مقولہ مشہور ہے کہ:

إِنَّ الْعِلْمَ كَانَ فِيْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ ثُمَّ انْتَقَلَ إِلَى الْكُتُبِ وَصَارَتْ مَفَاتِيْحُهُ بِأَيْدِي الرِّجَالِ۔

یعنی علم پہلے لوگوں کے سینوں میں تھا پھر کتابوں کی طرف منتقل ہو گیا مگر اس علم کی کلید اب بھی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

اس مقولہ کا بھی یہی مطلب ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے کتابیں کافی نہیں بلکہ اساتذہ کا واسطہ ضروری ہے خواہ براہ راست اساتذہ سے علم حاصل کیا جائے یا کتابوں سے اساتذہ کے ذریعہ علم حاصل ہو۔ اساتذہ کا وجود دونوں صورتوں میں ضروری ہے اور ان دو طریقوں کے علاوہ حصول علم کا کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔

اس مقولہ کی تائید بخاری، مسلم اور ترمذی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبِضُ الْعِلْمَ إِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا إِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا (111)

اللہ تعالیٰ علم لوگوں (کے سینوں) سے نہیں نکالیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ علماء کے انتقال سے علم اٹھالیں گے، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا

بنالیں گے جن سے بغیر علم کے فتوے پوچھے جائیں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علماء ہی علم کا ذریعہ ہیں اور علم انہیں سے حاصل کیا جائے گا اور یہ بات صرف علم دین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر علم کے ماہرین خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتے ہوں اس بات پر متفق ہیں کہ ہر علم اور ہر فن کو اس علم وفن کے کسی ایسے ماہر سے حاصل کرنا چاہیے جو اس علم کے اصول وفروعات سے کما حقہ واقف ہو۔ اپنے مقصود کو صحیح طریقہ سے بیان کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اپنی کہی ہوئی بات کے نتائج وثمرات کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہو اور اس علم وفن پر کیے جانے والے اعتراضات اور شبہات کے جواب دینے پر بخوبی قادر ہو۔

دینی علوم کی تحصیل کے لیے سلف صالحین نے ہمیشہ ان شروط کی پوری پابندی کی ہے اور علم دین ہمیشہ ایسے لوگوں سے حاصل کیا جو ان مذکورہ بالا صفات کے حامل تھے۔(112)

نیز بغیر استاذ کے صرف کتاب سے سمجھنا اور استاذ سے سمجھنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معلم اور متعلم کے اس طریقہ میں غیر معمولی خاصیت رکھی ہے۔ یہ بات مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ بسا اوقات متعلم کوئی مسئلہ کتاب میں اپنے پورے مباحث کے ساتھ پڑھتا ہے اسے بار بار دھراتا ہے یہاں تک کہ یاد بھی کر لیتا ہے مگر اسے صحیح طرح سمجھ نہیں پاتا مگر اس کا معلم وہی مسئلہ جب کسی مجلس میں اسے سمجھاتا ہے تو وہ ساری بات بآسانی اس کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ وہ مشاہدہ اور تجربہ ہے جس کا انکار کرنا ممکن نہیں (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہرگز تفہیم کا کام نہیں کرسکتی اس کے لیے کسی معلم کا وجود ناگزیر ہے۔)

معلم کے سامنے بات جلدی سمجھ میں آجانے کے بہت سے اسباب ہیں جن میں معلم کی قوت تفہیم، ماحول اور قرائن، انداز بیان، شکوک وشبہات کا جواب جیسے امور شامل ہیں وہاں بذات خود متعلم کا معلم کے سامنے بیٹھ کر علم کے لیے اپنی احتیاج ظاہر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کا خاص سبب ہے۔ معلم کی صحبت بذات خود نافع ہے جس کی تائید حضرت حنظلہ اسیدی

رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ:

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر اپنا حال بیان کیا کہ جب ہم آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو ہمارا حال کچھ اور ہوتا ہے اور یہاں سے چلے جاتے ہیں تو دل کی حالت بدل جاتی ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَو کُنْتُمْ کَمَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰئِکَۃُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ (113)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا باہر جا کر بھی وہی حال رہے جو میرے پاس ہوتا ہے تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں۔

بہرحال علماء کی مجالس اور ان کی صحبت سے متعلم کو وہ وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو اس کے بغیر متعلم کو نصیب نہیں ہو سکتے اور جس قدر متعلم اپنے استاذ کا اتباع کرتا ہے اس کا ادب بجا لاتا ہے اور اس کی اعلیٰ صفات کی پیروی کرتا چلا جاتا ہے اتنا ہی نور علم متعلم کے قلب میں منتقل ہوتا چلا جاتا ہے جس کے انوار و برکات ایک طویل زمانہ تک نہ صرف باقی رہتے ہیں بلکہ اتباع شریعت سے اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔(114)

- شرح عقوم رسم المفتی میں ہے:

ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ خود پڑھتا ہے اور کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے باقاعدہ اس کا کوئی استاذ نہیں اور وہ شخص فتویٰ بھی دیتا ہے۔اپنی مطالعے کی بنیاد پر کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ فرمایا: اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں اس کی کئی وجوہات ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ عام جاہل کی طرح ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔بلکہ یہ چاہیے کہ علم کسی معتبر استاذ سے سیکھا جائے۔(115)

- قرآن کریم میں ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا

(الفرقان:73)

اور جب انہیں اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحبؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی صرف کتاب کے مطالعہ سے کسی کو معتد بہ حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اس کو کسی استاد سے نہ پڑھے، معلوم نہیں قرآن اور علوم قرآن ہی کو کیوں ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کرلے یہ بے اصول مطالعہ جس میں کسی ماہر استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الٰہیہ پر اندھے بہرے ہوکر گرنے کے مفہوم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق بخشیں۔(116)

- حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

کچھ عرصے سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لیے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کردیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد بد رکھنے والے لوگ، جنہیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کردیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کرکے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے، جو دین کے معاملے میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کرلے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کرسکتا اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کرسکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی ہو، اس لیے کہ ڈاکٹر بننے کے لیے صرف انگریزی

سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کرکے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لیے ماہر اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے۔جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لیے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملے میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کافی کیسے ہوسکتا ہے؟ زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم وفن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہے جنہیں پورا کیے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی تو آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لیے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اس کے معاملے میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کردے؟ باقی رہی یہ بات کہ قرآن کریم تو خود اپنے بارے میں کہتا ہے کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۔(القمر:17)

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنادیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

اس کی وضاحت صفحہ 5 پر سوال نمبر 3 کے جواب میں گزر چکی ہے۔

سوال: اگر محض دینی کتابوں کے مطالعہ سے بغیر کسی استاد کے دین کا علم سیکھنا درست نہیں تو آج جو ہزاروں کی تعداد میں مسلسل دینی کتب چھپ رہی ہیں وہ کس کام کی؟

جواب: حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

میں کتابوں کو بے کار نہیں کہتا وہ بے شک کام کی ہیں مگر طبیب کے کام کی ہیں مریض کے کام کی نہیں۔

الغرض ایک بات تو یہ ہوئی کہ ان کتابوں سے ماہرین فائدہ اٹھائیں، باقی عوام تو وہ دو شرطوں کے ساتھ ان کتابوں سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

● فن کی بنیادی باتوں کا پہلے سے تعارف ہو

پہلی شرط: یہ ہے کہ جس علم وفن کی کتاب کا مطالعہ کیا جارہا ہے اس علم کے اصول ومقاصد اور اس علم وفن کی اصلاحات کا پہلے سے کچھ نہ کچھ تعارف حاصل ہو۔یعنی کسی مستند عالم اور ماہر فن سے اس علم کی ابتدائی معلومات حاصل ہوچکی ہوں تاکہ محض کتاب پڑھنے سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔اسی لیے کہا گیا:

اَلْعِلْمَ كَانَ فِيْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ ثُمَّ انْتَقَلَ إِلَى الْكُتُبِ وَصَارَتْ مَفَاتِيْحُهُ بِأَيْدِي الرِّجَالِ۔

علم پہلے علماء کے سینوں میں ہوتا تھا، پھر علم کتابوں کی طرف منتقل ہوگیا لیکن علم کی کنجیاں اب بھی علماء کے ہاتھوں میں ہیں۔

لہٰذا محض کسی علم وفن کی کتاب کا مطالعہ طالب علم کے لیے مفید نہیں جب تک کہ اس علم وفن کے ماہرین کی رہبری شامل حال نہ ہو۔

● مطالعہ محققین کی کتابوں کا کریں

دوسری شرط: یہ ہے کہ جو علم مطلوب ہے اس کے متقدمین علماء کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کیا جائے کیونکہ متقدمین کے علوم متاخرین کے مقابلہ میں ٹھوس بھی ہیں اور سہل بھی اور ان کے علمی رسوخ تک بالعموم متاخرین کی رسائی نہیں۔متقدمین اپنے علم اور اپنے اعمال صالحہ میں بلاشبہ متاخرین سے کہیں آگے ہیں۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو علوم شریعت میں جو علمی اور عملی رسوخ حاصل تھا وہ تابعین میں نہیں اور تابعین کو علم وعمل میں جو کمال تھا وہ تبع تابعین میں اس درجہ کا نہیں۔

لہٰذا متقدمین کے اقوال واحوال، ان کی سیرت کا مطالعہ اور ان کی تحریر کردہ کتب کا مطالعہ ہی علوم شریعت حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ نافع ہے۔(البتہ متقدمین کی کتب چونکہ

بالعموم متن اور اجمال کا درجہ رکھتی ہیں اس لیے اس اجمال کی تفصیل اور متن کی تشریح کے لیے علماء متاخرین کی کتب کا مطالعہ بسا اوقات ضروری ہوجاتا ہے لیکن اس سے متقدمین کی فضیلت اور اہمیت کم نہیں ہوتی۔(117)

قاری طیبؒ صاحب فرماتے ہیں جن کتابوں سے الحاد یا تلبیس دین کے نام پر بے دینی اور بے قیدی کی طرف رہنمائی یا جن کتابوں سے اسلام کے نام پر سلف کی بے عظمتی پیدا ہوتی ہو، یا کتب تو دینی ہوں مگر ان میں خواہ مخواہ کی عبارت آرائی اور ادیبانہ تکلفات ہوں، خصوصا اس دور کے غیر محقق یا آزاد رائے قسم کے مصنفین کی کتابیں مجھے طبعا پسند نہیں جن میں ذہنی خیالات کو اصل بنا کر شرعی تائیدات حاصل کرنے کا اسلوب کارفرما ہو، نہ صرف یہی کہ ان سے قلبی تسکین وطمانینت کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ زیادہ تر وہی قلب کی تشویشات اور پریشان خاطری کا بڑا سبب ہیں۔(118)

● مطالعہ کسی کی ماتحتی اور زیر نگرانی ہو

تیسری شرط: یہ ہے کہ مطالعہ کسی عالم کی نگرانی میں ہو

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

> یہ نہیں ہونا چاہے کہ آج اس کی کتاب دیکھ لی، کل اس کی، اس سے بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے جس طرح دنیوی معاملات میں مصلحت کے لیے تعین کیا جاتا ہے اسی طرح دینی معاملات میں ہونا چاہیے (کہ پہلے کسی متبع سنت عالم کو دینی معاملات کی رہبری کے لیے متعین کریں پھر) جس شخص کو معین کیا ہے پہلے اسی شخص کو (وہ کتاب) دکھلالو اگر وہ اجازت دے تو دیکھو ورنہ مت دیکھو۔ محتاط امراء کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھاتے ہیں تو پہلے حکیم سے پوچھ لیتے ہیں اگر وہ اجازت دیتا ہے تو کھاتے ہیں ورنہ نہیں یا بعض محتاط مریضوں کی عادت ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو کوئی دوا کھلانا چاہے تو کہتے ہیں کہ بجائے ہمارے فلاں طبیب سے اس دوا کی بابت کہو اگر وہ کہے گا تو

استعمال کرلوں گا ورنہ نہیں۔ ایسا ہی یہاں کرو۔(119)

حضرت قاری طیبؒ فرماتے ہیں:

علم سیکھنے کی اعلیٰ صورت تو معلم کی صحبت اور معیت ہے اور ادنیٰ درجہ لٹریچر ہے بشرطیکہ اس کا سمجھانے والا بھی کوئی ہو۔ لٹریچر میں آزاد نہیں ہونا چاہیے کہ جس کا جو جی چاہے سمجھ لے (یعنی اپنی طرف سے جو مطلب جی میں آیا اسی کو صحیح سمجھ لیا) اس کو بھی (کسی سے) سمجھنا پڑے گا۔(120)

المنیر مرکز تعلیم و تربیت فاؤنڈیشن MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

تیسری بات: فن کا ماہر ہو، سطحی علم کا حامل نہ ہو

● سطحی اور سرسری علم کا حامل جو دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہ رکھتا ہو

اب جب یہ تحقیق بھی ہوگئی کہ جن سے علم حاصل کیا جارہا ہے جن کی کتابیں، مقالات پڑھے یا سنے جارہے ہیں:

(1) وہ نہ مستشرق ہیں نہ ان کے شاگرد۔ (2) اور ان کا علم خودرائی اور ذاتی مطالعہ پر بھی مبنی نہیں (3) تو اب یہ دیکھنا ہے کہ جن کو ہم پڑھ رہے ہیں یا سن رہے ہیں وہ فن کا ماہر اور محقق عالم بھی ہے یا نہیں؟ اس کا علم سطحی، سرسری تو نہیں؟ آج کل یہ فتنہ قریب قریب عام ہورہا ہے کہ ہر جاہل وعامی محض اردو کتب اور تراجم کی مدد سے درس قرآن دینے لگا ہے جبکہ یہ بہت ہی خطرناک ہے۔

اس سے دینی، مذہبی اور علمی اعتبار سے نوجوان نسل بہت ہی اضطراب کا شکار ہورہی ہے، کیونکہ وہ دین ومذہب کے بارے میں علماء سے کچھ سنتے ہیں تو جدید اسکالروں سے کچھ اور، لہٰذا وہ اس کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ (121)

اور دور حاضر کی ایک انتہائی پریشان کن بات یہ بھی ہے کہ ''فتویٰ'' (حلال حرام، جائز ناجائز پر بحث کرنا) ہمارے قومی اور عالمی میڈیا کا ایک مرکزی موضوع بن چکا ہے۔ مختلف عنوانوں پر بات کرنے کے لیے مختلف قسم کے لوگوں کو بلاکر ''مذہبی اسکالر'' کے لقب سے نوازا جاتا ہے اور وہ اپنی چرب زبانی کے زور پر حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں۔ فتویٰ کی بنیاد ''کتاب وسنت'' نہیں ہوتی، بلکہ ان کی چرب زبانی کا کرشمہ ہوتا ہے۔

یہ لوگ سستی شہرت کے لیے فتاویٰ کے اصول وقواعد کو بالائے طاق رکھ کر رخصتوں، آسانیوں کی تلاش کے اصول پر چلتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ افتاء کا منصب بہت اہم اور نازک ہے۔ جو شخص فتویٰ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان وسیلہ اور پل کی حیثیت رکھتا

ہے۔وہ اللہ کی طرف سے دستخط کرتا ہے کہ اس مسئلے میں اللہ کا حکم یہ ہے۔

اسلاف کے فتویٰ میں احتیاط کرنے کے چند نمونے:

صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور ائمہ دینؒ فتویٰ دینے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

(1) جلیل القدر تابعی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں:

ادرکت عشرین ومائة من اصحاب رسول اللہ ﷺ مامنهم رجل یسال عن شئ الا ودان اخاہ کفاہ...یسال احدهم عن المسئلة فیردها الی هذا الی هذا حتی ترجع الی الاول (122)

میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا، ان میں سے کسی سے مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ یہی چاہتا کہ اس کا جواب اس کا بھائی دے اور کبھی ان سے کوئی سوال ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتا اور وہ تیسرے کی طرف اشارہ کرتا، یہاں تک کہ وہ سوال پہلے صحابی کی طرف لوٹ آتا۔''

(2) مالک بن انسؒ امام دارالہجرۃ فرماتے ہیں:

مدینہ منورہ میں میری بہت سے علماء وفقہاء سے ملاقات ہوئی۔ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو ان کی حالت ایسی ہوجاتی گویا کہ موت طاری ہوگئی ہے جبکہ ہمارے زمانے میں لوگ فتویٰ دینے کو پسند کرتے ہیں۔اگر ان لوگوں کو کل قیامت کے دن غلط فتویٰ کی سزا کا علم ہو تو وہ کبھی فتویٰ دینے کی جسارت نہ کریں۔

(3) امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ اور علی بن ابی طالبؓ کا زمانہ خیر القرون تھا اور یہ لوگ خیار صحابہ میں سے تھے۔جب ان سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمع کرتے اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھتے۔پھر جس بات پر اتفاق ہوجاتا اس کے مطابق فتویٰ صادر کرتے جبکہ ہمارے دور میں لوگ فتویٰ دینے پر فخر کرتے ہیں۔ (123)

(4) اللہ تعالیٰ امام مالکؒ کی قبر پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔ اگر وہ آج ہمارے زمانے کے نام نہاد مذہبی اسکالرز کو پردۂ سکرین پر فتویٰ بازی کرتے ہوئے دیکھتے تو ان کے بارے میں کیا فرماتے: امام مالک بن انسؒ کے متعلق آتا ہے کہ ان سے ایک دن پچاس مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا ان میں سے کسی کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ آپ کہا کرتے تھے:

من اجاب فی مسئلة فینبغی قبل الجواب ان یعرض نفسه علی الجنة والنار و کیف خلاصه ثم یجیبه۔

کوئی بھی عالم جواب دینے سے قبل اپنے نفس کو جنت یا جہنم پر پیش کرے اور یہ سوچے کہ نجات کس طرح ممکن ہے، پھر جواب دے۔(124)

(5) آپ ہی کے شاگرد الہیثم بن جمیلؒ کہتے ہیں کہ ایک دن امام مالکؒ سے اڑتالیس مسائل کے بارے میں پوچھا گیا، ان میں بتیس مسائل کے بارے میں فرمایا: "لَآ اَدْرِیْ" "مجھے اس کے بارے میں علم نہیں۔"(125)

(6) جلیل القدر تابعی ابوالمنہالؒ بیان کرتے ہیں کہ میں زید بن ارقمؓ اور براء بن عازبؓ سے الصرف (درہم و دینار کے تبادلے) کے بارے میں جب بھی ایک سے پوچھتا، وہ دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہتے: "ان سے پوچھو، وہ مجھ سے زیادہ دیانتدار اور زیادہ علم والے ہیں۔"(126)

(7) امام عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالکؒ کی مجلس میں تھا۔ ایک اجنبی آیا اور کہنے لگا میں چھ ماہ کی طویل مسافت طے کر کے اپنی بستی والوں کی طرف سے بطور نمایندہ ایک مسئلہ آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: پوچھو! جب اس نے مسئلہ بیان کیا، تو امام صاحبؒ نے اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا کہ مجھے اس کا صحیح علم نہیں۔ ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا جواب سن کر وہ آدمی دنگ رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں تو ایسے شخص کے پاس آیا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے۔ اس نو وارد نے عرض کیا کہ میں اب واپس جا کر اپنی بستی والوں کو کیا جواب دوں، جنہوں نے صرف آپ سے دریافت

کرنے کے لیے بطور خاص مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی بستی والوں سے کہنا: مالکؒ کہتا ہے: ''اس مسئلہ کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں۔''(127)

(8) ابن عونؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کے ساتھ تھا۔ ایک شخص آیا اور کسی مسئلہ کے متعلق ان سے پوچھنے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھے اس بارے میں مکمل علم نہیں، تو سائل نے کہا: میں یہاں کسی عالم کو نہیں جانتا، آپ ہی اس بارے میں رہنمائی کریں۔ آپؒ نے فرمایا: تم میری لمبی ڈاڑھی اور میرے اردگرد لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر دھوکے میں مت آؤ، واقعتاً مجھے اس بارے میں علم نہیں۔

اسی مجلس میں موجود ادھیڑ عمر کے ایک قریشی آدمی نے کہا: اے اجنبی! تم اس مسئلے کی بابت ان سے جواب کے لیے اصرار کرو، میں نے اس مجلس میں تم جیسا ہوشیار نہیں دیکھا ہے۔ تو قاسمؒ نے فرمایا:

لان یقطع لسانی احب الی من ان اتکلم بما لا علم لی به۔

میری زبان کا کٹ جانا مجھے زیادہ محبوب ہے اس بات سے کہ میں کسی ایسے فتویٰ کے متعلق جواب دوں جس کا مجھے صحیح علم نہ ہو۔(128)

فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت مندی دکھانے والے، سلف صالحینؒ کی نظر میں:

- سفیان بن عیینہؒ فرماتے تھے:

اجرؤ الناس علی الفتویٰ اقلھم علما۔

فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت مند وہ شخص ہوتا ہے جو علمی طور پر نکما ہو۔(129)

- عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے:

اے لوگو! جس شخص سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے، اسے اس کا علم ہو تو ضرور اس کو بیان کرے اور جس کو علم نہ ہو ''اللہ اعلم'' کہے: کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے بارے میں اللہ اعلم کہنا بھی علم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے:

قل لا اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین

کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔(130/1)

- صحیح مسلم میں ہے:

مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ أَنْ يَقُولَ لِمَا لَا عِلْمَ لَهُ بِهِ: اللهُ أَعْلَمُ۔

(130/2)

یہ بات انسان کے فہم (دین) کا حصہ ہے۔کہ جس بات کو وہ نہیں جانتا اس کے بارے میں کہے: اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔

- حَبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

جو شخص کوئی ایسا فتویٰ دیتا ہے جس کا اسے علم نہیں، تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔

- ابو حصین عثمان بن عاصمؒ فرماتے ہیں:

ان احدهم ليفتي في المسئلة لو وردت على عمرؓ لجمع اهل بدر (131)

آج کل لوگ ایسے ایسے مسائل میں فتویٰ دینے لگ گئے ہیں، اگر یہ مسائل حضرت عمرؓ کو درپیش ہوتے تو وہ اہل بدر کو جمع کر کے ان سے حل معلوم کرتے۔

اس کی واضح مثال ہمیں اس واقعہ سے ملتی ہے:

جلیل القدر صحابی سیدنا رفاعہ بن رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سیدنا عمرؓ کی مجلس میں بیٹھا تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور پکارا اے امیر المؤمنین! یہ زید بن ثابتؓ مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو غسل جنابت کے متعلق اپنی رائے سے فتویٰ دے رہے ہیں۔ امیر المؤمنین نے فوراً انہیں اپنی مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ زید بن ثابتؓ حاضر ہوئے تو امیر المؤمنین ان سے مخاطب ہوئے:

ای عدو نفسه قد بلغت انك تفتي الناس برأيك۔

اے اپنی ذات کے دشمن! تم لوگوں کو اپنی رائے سے فتوے دے رہے ہو؟

تو زید بن ثابتؓ نے جواباً عرض کیا:

اے امیر المؤمنین! میں نے اپنی رائے سے تو فتویٰ نہیں دیا بلکہ میں نے یہ ابو ایوب انصاریؓ، ابی بن کعبؓ اور رفاعہ بن رافعؓ سے سنا ہے۔

یہ سن کر امیر المؤمنین، رفاعہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

کیا تم لوگ اپنی بیویوں سے جماع کر کے عدم انزال کی صورت میں غسل نہیں کرتے تھے؟ تو رفاعہؓ گویا ہوئے:

ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایسا کیا کرتے تھے، ہمیں اللہ کی طرف سے کوئی حرمت نہیں ملی اور نہ ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کیا۔ امیر المؤمنین عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں؟ تو رفاعہ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ امیر المؤمنین نے مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں مشورہ کیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ اس پر غسل واجب نہیں، لیکن معاذ بن جبلؓ اور علی بن ابی طالبؓ نے ان کے جواب سے اختلاف کیا اور فرمایا:

اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل

جب دو ختنہ کی چیزیں (شرمگاہیں) آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

ان کا یہ اختلاف سن کر امیر المؤمنین نے فرمایا:

هذا وانتم اصحاب بدر قد اختلفتم، فمن بعدكم اشد اختلافا

تم اصحاب بدر اختلاف کے شکار ہو، تمہارے بعد والے اس سے کہیں زیادہ اختلاف کے شکار ہوں گے۔

تو حضرت علی بن ابی طالبؓ جو سیدنا عمرؓ کے سسر اور مشیر خاص تھے، نے فرمایا:

اس مسئلے میں ازواج مطہراتؓ سے زیادہ کوئی جاننے والا نہیں، آپ ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ کے پاس کسی کو پوچھنے کے لیے بھیج دیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو

انہوں نے جواب میں فرمایا:

لا علم لی بہا فارسل الی عائشۃ۔

مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، عائشہؓ سے پوچھا جائے۔

جب عائشہؓ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے وہی کہا جو معاذؓ اور علی بن ابی طالبؓ کا جواب تھا:

اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل۔

جب مسئلہ کی وضاحت ہوئی تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا:

اگر آج کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ کسی نے ایسا کیا ہے، تو میں اس کو سزا دوں گا۔(132)

یہ ہیں سلف صالحینؒ کے چند نمونے جو علم کے کمال کو پہنچنے کے باوجود بہت ہی احتیاط سے فتوے دیتے۔ اگر ان کو علم نہ ہوتا تو کسی جاننے والے کے حوالہ کرتے لیکن آج کل ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں، جس میں لوگ فتوے دینے پر فخر کرتے ہیں۔

بالکل وہی زمانہ آ گیا ہے جس کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

إِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا(133)

لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے، ان سے سوال ہوگا تو بغیر علم کے جواب دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور دوسری حدیث میں آتا ہے:

سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتُ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ، قِيلَ: وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ؟ قَالَ: الرَّجُلُ التَّافِهُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ۔(134)

لوگوں پر دھوکے والے سال آئیں گے، جن میں جھوٹے شخص کی تصدیق کی جائے گی اور سچ بولنے والے کو جھٹلایا جائے گا، خیانت کرنے والے کو امانتدار سمجھا جائے گا اور

امانتداروں کوخیانت کرنے والا کہا جائے گا اور ''رویبضۃ'' (عاجز نکمے لوگ) اہم امور میں باتیں کرنے لگیں گے۔ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رویبضۃ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''گھٹیا آدمی جو عوام پر حکم چلائے۔''

آج کل ہم انہی مسائل سے دوچار ہیں۔ دین کے معاملے میں مقاصدِ شرعیہ اور علوم دین سے نابلد لوگ فتویٰ دیتے ہیں۔ جائز کو ''ناجائز'' اور ناجائز کو ''جائز''، حلال کو ''حرام'' اور حرام کو ''حلال'' قرار دیتے ہیں۔

الغرض طرح طرح کے مسائل میں دلائل وحجت کے بغیر اپنے من کے مطابق فتویٰ دینا آج کل ان لوگوں کو طرۂ امتیاز بن چکا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو غلط فتویٰ کے خطرات کو سمجھتے ہوئے بلا علم وتحقیق فتویٰ کے گناہ سے ڈرتے ہیں جبکہ جاہل اور بے وقوف لوگ فتویٰ دینے میں نہایت ہی بے باک ہیں۔ اس فانی دنیا میں سستی شہرت کے حصول اور لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب جمانے کے لیے یا اپنے مختلف دنیاوی مذموم مقاصد کے حصول کے لیے بے دھڑک حرام کو حلال قرار دیتے ہیں۔

امام ربیعہ بن عبدالرحمن الرائیؒ ایک مرتبہ زاروقطار رو رہے تھے۔ کسی نے پوچھا: آپ پر کوئی مصیبت آن پڑی ہے؟ کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپؒ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا:

علم وحکمت سے دور لوگوں سے فتویٰ پوچھا جا رہا ہے۔ اسلام میں بہت بڑا سانحہ رونما ہوا ہے۔ آج کل کے بعض مذہبی اسکالر صاحبان، چور اور ڈاکو سے زیادہ زندان کے مستحق ہیں۔(135)

(1) ماہرین سے دین سیکھیں

دور نبوی میں قرآن کریم کی تعلیم چار ماہر قراء سے سیکھنے کی ترغیب دی جاتی تھی، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے یہاں عبداللہ بن مسعود کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا:

میں ان سے ہمیشہ محبت رکھوں گا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

سنا ہے کہ چار (قرآن کے ماہر) اشخاص سے قرآن سیکھو۔عبداللہ بن مسعود، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی کی اور ابوحذیفہ کے مولیٰ سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے پوری طرح یاد نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ابی بن کعب کا ذکر کیا یا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا۔(136)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

ایک اہم قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ ہر فن میں اس فن کے ماہر اور محقق کی بات کا اعتبار ہوگا (ہر ایرے غیرے کا نہیں) جیسے نحو (عربی گرائمر) میں علماء نحو، لغت میں علماء لغت، شعر اور طب میں شعراء اور اطباء کی بات ہی معتبر اور آخری سمجھی جاتی ہے۔(137)

● امام شاطبیؒ اپنی نامور کتاب الموافقات کے مقدمہ ثانیہ عشر میں حصول علم کے طریقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حصول علم کا وہ طریقہ جسے اپنا کر انسان تحقیق کے اونچے مقام تک پہنچ سکے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ایسے علماء سے علم حاصل کرے جو خود محققین کے مقام تک پہنچ چکے ہوں۔

(2) اسلاف کے یہاں یہی طریقہ رائج تھا

● حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اللہ کے دئے ہوئے علم میں سے انہیں بھی کچھ سیکھائیں، اور چند روز اپنے ہمراہ رہنے کی اجازت دیں، حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا آپ علیہ السلام میرے ساتھ رہ کر جو واقعہ دیکھیں گے ان پر صبر نہیں کر سکیں گے کیونکہ جن چیزوں کا آپ علیہ السلام کے پاس علم نہیں ان پر آپ علیہ السلام صبر کیسے کر سکتے ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا کہ آپ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے۔میں آپ علیہ السلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اگر آپ علیہ السلام میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو آپ علیہ السلام مجھ سے کسی چیز کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے گا؟ جب تک میں خود ہی آپ علیہ السلام کو نہ بتادوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ شرط قبول کر لی اور اپنے خادم یوشع بن نون کو واپس بھیج دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں ایک ساتھ دریا کے کنارے چلنے لگے۔

پہلا واقعہ: دونوں دریا کے کنارے کنارے چل رہے تھے، کہ قریب سے ایک کشتی گزری انہوں نے کشتی والوں سے کہا ہمیں بھی کشتی میں سوار کرلو، کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ لیے دونوں کو اپنے ساتھ سوار کرلیا، اتنے میں ایک چڑیا آئی جس نے کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر دریا میں سے اپنی چونچ میں پانی لیا جسے دیکھ کر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اللہ کے علم کے مقابلے میں میرا علم اور آپ کا علم دونوں ملا کر اتنے ہی ہیں جیسا اس چڑیا نے اس دریا سے چونچ میں پانی لیا ہے۔ ابھی کشتی میں سوار ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا کلہاڑا لے کر کشتی کا تختہ توڑ دیا اور کشتی کو عیب دار کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہمیں بغیر کرایہ لئے کشتی میں بٹھایا اور آپ نے اس کشتی میں شگاف کر دیا تا کہ کشتی والے ڈوب جائیں یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے کہا نہ تھا کہ آپ علیہ السلام میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں بھول گیا تھا آپ مجھ سے درگزر کریں اور میرے ساتھ سختی نہ کریں۔

دوسرا واقعہ: پھر وہ دونوں کشتی سے اترا آئے اور ساحل پر چلنے لگے راستے میں حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ: آپ نے ایک پاکیزہ جان

کو ناحق مار ڈالا، یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے کہا نہ تھا کہ آپ علیہ السلام میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر آئندہ میں نے آپ کے کام پر کوئی اعتراض کیا تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔

تیسرا واقعہ: پھر وہ دونوں ایک بستی میں پہنچے اور بستی والوں سے کھانا طلب کیا، لیکن انہوں نے کچھ بھی کھانے کو نہ دیا اور انہیں مہمان بنانے سے انکار کر دیا، انہوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو درست کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کہ اگر آپ ایسے بے مروت لوگوں سے معاوضہ لے کر دیوار درست کرتے تو ہم کھانا کھا لیتے، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اب حسب وعدہ آپ علیہ السلام کو مجھ سے الگ ہو جانا چاہیئے، کیونکہ آپ علیہ السلام کا میرے ساتھ چلنا مشکل ہے، اب میں جدا ہونے سے پہلے آپ علیہ السلام کو ان واقعات کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ علیہ السلام صبر نہ کر سکے۔

قَالَ: هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رَشَدًا؟ قَالَ لَهُ الْخَضِرُ: يَا مُوسَى، إِنَّكَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ، وَأَنَا عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ اللهُ لَا تَعْلَمُهُ(138)

فائدہ: حضرت موسیٰ باوجود علم شریعت کے ماہر ہونے کے تکوینیات کے علم کیلئے حضرت خضر کے پاس بھیجے گئے۔ نیز موسیٰ اور حضرت خضر کے قصہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی۔ جس فن میں مہارت نہ ہو اس فن کے ماہر کے سامنے دخل اندازی بلا دلیل وعلم کے اس کو غلط کہنا صحیح نہیں ہوتا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں فتویٰ دینے کے لیے بعض صحابہ کرامؓ کو مخصوص کیا ہوا تھا اور جن صحابہ کو جس جس علم پر عبور حاصل تھا، صرف اسی کے بارے میں فتویٰ دیتے تھے۔

آپؓ کاارشاد ہے:

اے لوگو! جس کو قرآن کریم سے متعلق کچھ پوچھنا ہوتو وہ ابی بن کعب کے پاس جائے اور جس نے میراث سے متعلق کچھ پوچھنا ہوتو وہ زید بن ثابت کے پاس جائے اور جس نے فقہ کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہوتو وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے اور جس کو مال کو ضرورت ہو وہ میرے پاس آجائے۔(139)

- اور حضرت عمرؓ کا یہ قانون بنوامیہ کے دور میں بھی رائج رہا۔ حج میں فتویٰ کے لیے عطاء بن ابی رباحؒ مقرر تھے۔ امام ذہبی، امام عطاء بن ابی رباحؒ کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں:

بنوامیہ کے دور میں ایام حج میں یہ اعلان ہوتا تھا:

لایفتی الناس الا عطاء بن ابی رباح، فان لم یکن عطاء فعبداللہ بن نجیح (140)

عطاء بن ابی رباح کے بغیر کوئی فتویٰ نہ دے اور اگر عطاء نہ ہوتو عبداللہ بن نجیح فتویٰ دیں گے۔

اور عباسی عہد میں بھی یہ نظام رہا جیسے کہ عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں:

سمعت منادیا ینادی بالمدینۃ: الا لایفتی الناس الا مالك بن انس وابن ابی ذئب۔

میں نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان سنا کہ لوگوں کو فتویٰ مالک بن انسؒ اور ابن ابی ذئبؒ کے سوا کوئی اور نہ دے۔(141)

(3) عقل بھی یہی کہتی ہے

- کیونکہ جس طرح دنیا کے ہر فن میں اسی کی بات تحقیقی مانی جاتی ہے جو اس فن میں کامل مہارت رکھتا ہو نہ کہ فن سے ناآشنا کی، مثلاً ہیرے جواہرات کے بارے میں ماہر جوہری کی تحقیق مانی جائے گی نہ کہ کسی موچی کی، سونے کے بارے میں ماہر سنار کی تحقیق مانی جائے گی نہ کہ کسی کمہار کی۔

ایسے ہی فقہ کے بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن میں اس مسئلہ کے حکم کا مدار ماہر فن کی رائے پر رکھا گیا ہے۔

(1) جیسے روزہ میں مرد کے مثانہ میں دوا ڈالنے کی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس پر صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق فقہ سے نہیں بلکہ طب سے ہے یعنی ایک ماہر طبیب کی رائے اس مسئلہ میں معتبر ہوگی اگر مثانہ میں ڈالنے کی صورت میں دوا کے پیٹ تک پہنچنے کی رائے دے تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔(142)

(2) کنوئیں کے اندر ایک بڑا جانور مر کر پھول پھٹ جائے تو سارا پانی نکالنے کا حکم ہے لیکن چونکہ کنویں میں تو مسلسل پانی آجارہا ہے لہذا اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک ماہر کی رائے کا اعتبار ہوگا اگر وہ کہے کہ سارا پانی نکل چکا ہے تو وہ کنواں پاک سمجھا جائے گا۔(143)

(3) کوئی حاجی حالت احرام میں کسی جانور کا شکار کر کے اسے مار ڈالے تو اس پر اس کی جزاء واجب ہے، جزاء میں کون سی قیمت کا اعتبار ہوگا اس میں فقہاء کے نزدیک ایک عادل اور ماہر کی رائے کا اعتبار ہے وہ جو قیمت لگائے وہ معتبر ہوگی۔(144)

(4) غیر محقق سے سیکھنے کے نقصانات

- جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر فن میں ماہر کی بات مانی جاتی ہے تو اسی طرح دین میں بھی دین کے ماہر کی بات تحقیقی مانی جائے گی نہ کہ ہر کندۂ ناتراش کی۔

غیر محقق نااہل ہے اس کا کام اہلِ تحقیق کی تقلید اور پیروی ہے نہ کہ نااہل ہو کر از خود دین کی تشریح وتعبیر کرنا۔

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی سائل نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔۔۔۔سائل نے عرض کیا کہ

امانت کس طرح ضائع ہوتی ہے فرمایا جب کوئی کام نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔"(145)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسی عالمگیر حقیقت کا انکشاف فرمایا یعنی جب ڈاکٹری نسخے وکیل لکھنا شروع کر دیں تو ڈاکٹری پر قیامت نہیں آجائے گی، جب سونے کی جانچ سناروں کے بجائے کمہار کرنے لگیں تو قیامت نہیں آجائے گی اسی طرح جب دین کی تشریح نااہل کرنے لگیں تو کیا دین پر قیامت نہیں آئے گی۔

ایک حدیث میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ إِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا إِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا (146)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ علم کو کھینچ کر نہیں اٹھاتے کہ بندوں کے سینوں سے اس کو کھینچ کر نکال لیں بلکہ علم کو اٹھاتے ہیں علماء (کو موت دے کر) اٹھانے کے ساتھ یہاں تک جب اللہ (پختہ کار اور ماہر) علماء نہ چھوڑیں گے (اور وہ بہت کم ہو جائیں گے یا ختم ہو جائیں گے) تو لوگ جاہلوں کو (جنہوں نے علماء راسخین سے علم حاصل نہ کیا ہوگا بلکہ ناتجربہ کار غیر محقق پروفیسروں، اسکالرز سے سن سنا کر کچھ باتیں رٹ لی ہوں گی، ان کو) بڑا بنالیں گے اور ان سے دین کی باتیں پوچھی جائیں گی (اور ان سے قرآن کے درس کہلوائے جائیں گے) تو یہ (پختہ) علم کے بغیر دین کے مسائل بتائیں گے اور قرآن کی تفسیر اپنی طرف سے کریں گے) پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کتاب وسنت کا صحیح علم رکھتے ہوں جنہیں علماء کہا جاتا ہے، ان سے دین حاصل کرنا چاہیے، ان ہی سے مسائل معلوم کرنے چاہیے، اور دینی

معاملات میں ان پر بھروسہ کرنا چاہیے اور ہر علاقہ میں ایسے علماء کا وجود ضروری ہے اگر کسی علاقہ میں کتاب وسنت کے ماہر علماء نہیں ہوں گے تو وہاں علم دین ختم ہونے لگے گا اور دین کے نام پر جاہلوں کی باتیں پھیل جائیں گی، وہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے معلوم ہوا کہ علم دین علماء کے اٹھنے سے اٹھ جاتا ہے۔اگر چہ دینی کتابیں کتب خانوں، بازاروں اور گھروں میں موجود رہیں کیونکہ علم دین کتابوں سے نہیں، علماء سے حاصل ہوتا ہے.....اور یہ بات صرف عقلی استنباط نہیں ہے بلکہ خود اسی حدیث شریف کی ایک روایت سے ثابت ہے، حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت مسند احمد، طبرانی اور سننِ دارمی کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اونٹ پر کھڑے ہوکر تین مرتبہ یہ اعلان فرمایا:

أَلَا إِنَّ ذَهَابَ الْعِلْمِ ذَهَابُ حَمَلَتِهِ(147)

خبردار! حاملینِ علم (علماء) کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جاتا ہے۔

اور اُس روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ اُسی موقع پر ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

> اے اللہ کے نبی علم ہم سے کیسے اٹھ جائے گا جبکہ مصاحف قرآنیہ ہمارے درمیان موجود ہیں، اس قرآن کی سورتیں ہم نے سیکھ لی ہیں اور اپنے بیٹوں، گھر کی عورتوں اور خادموں کو بھی سکھادی ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضگی کی حالت میں اپنا سر مبارک بلند کیا اور فرمایا: یہ یہود ونصاریٰ بھی تو اپنی کتابوں کو لیے بیٹھے ہیں لیکن ان کے انبیاء (علیہم السلام) نے جو دین انہیں پہنچایا تھا ان میں سے کسی چیز سے وابستہ نہیں رہے۔ (148)

اس روایت سے بھی یہ بات کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ کتابوں سے صرف معلومات حاصل ہوتی ہیں اور وہ بھی صرف نظریاتی جبکہ علم ماہرین فن علماء سے حاصل ہوتا ہے جو نظریاتی بھی

ہوتا ہے اور عملی بھی، وہ قابل عمل بھی ہوتا ہے اور زندگی کی مشکلات کو حل کرنے اور آسان بنانے والا بھی اور بآسانی جنت تک پہنچانے والا اور عین سنت نبویہ کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ علماء کرام ہی احکام شرعیہ، شرعی حدود اور سنت نبویہ کو زیادہ پہنچاننے والے ہیں۔

لہذا مسلمانوں کو اس بات کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے کہ مستند علماء اور اکابر اہل حق کے علاوہ کسی عام آدمی کو درس وتدریس کی مسند پر نہ بیٹھنے دیں اور نہ ہی اس کے حلقہ درس میں بیٹھیں کیونکہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

> عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لاکر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں، علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں۔ اس کو علماء کے حوالے کردیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا، زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے، کیونکہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے وہ کفر ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں کود پڑے۔(149)

(5) علم دین کے ماہرین کون ہیں کون نہیں

علم دین کا ماہر وہ ہے جن کے اوپر بڑوں نے اعتماد کیا ہو چنانچہ جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

> وَإِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ، لَا نَتَّهِمُكَ، قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ، فَاجْمَعْهُ۔ (150)
>
> تم جوان ہو، عقلمند ہو اور ہم تمہیں کسی بارے میں متہم بھی نہیں سمجھتے تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھتے تھے، پس تم اس قرآن مجید (کی آیات) کو تلاش کرو اور ایک جگہ جمع کردو۔

- امام شاطبیؒ اپنی نامور کتاب الموافقات کے مقدمہ ثانیہ عشر میں حصول علم کے طریقوں کا

ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حصول علم کا وہ طریقہ جسے اپنا کر انسان تحقیق کے اونچے مقام تک پہنچ سکے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ایسے علماء سے علم حاصل کرے جو خود محققین کے مقام تک پہنچ چکے ہوں۔

جو اس علم کے اصول وفروع سے کما حقہ واقف ہوں اپنے مقصود کو صحیح طریقے سے بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اپنی کہی ہوئی بات کے نتائج وثمرات کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہوں اور اس علم وفن پر کیے جانے والے اعتراضات اور شبہات کے جواب دینے پر بخوبی قادر ہوں۔ دینی علوم کی تحصیل کے لیے سلف صالحین نے ہمیشہ ان شروط کی پوری پابندی کی ہے اور علم دین ہمیشہ ایسے لوگوں سے حاصل کیا جو ان مذکورہ صفات کے حامل تھے۔(151)

مفتی محمود حسن گنگوہی فرماتے ہیں:

جو حضرات کتاب وسنت کے ماہر ہیں کہ انہوں نے سب طرف سے کٹ کر کتاب وسنت ہی کی خدمت کے لیے اپنے کو وقف کر دیا ہے اور ہر حکم کے درجہ کو پہنچانتے ہیں اور حدیث پاک کے متن اور شروح پر نظر رکھتے ہیں، قرآن شریف اور اس کی تفسیر سے خوب واقف ہیں اور آثار صحابہ ان کے سامنے ہیں، ائمہ مجتہدین کے تخریج کردہ مسائل کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں اور ان کے طرق استنباط واستدلال کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کی تمام تر جدوجہد اعتقادی، عملی، اخلاقی، معاشرتی زندگی کی آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے تحت اصلاح کرنا ہے اور اتباع سنت، مسائل فقہ پر عمل، تزکیہ، اصلاح باطن کی بدولت اللہ پاک نے ان کو خشیۃ، تقویٰ، احسان کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے۔(ان حضرات سے یا جن پر یہ حضرات اعتماد کریں ان سے علم دین سیکھا جائے)(152)

● اور کتاب وسنت کے ماہر وہ لوگ نہیں ہیں جو اپنی مشغولیتوں کے ساتھ پارٹ ٹائم یا ریٹائرڈ ہونے کے بعد کچھ سطحی مطالعہ یا کچھ دینی کورس کر لیتے ہیں اور پھر لوگوں کو دین سکھانے بیٹھ جاتے ہیں بلکہ اس کا مصداق وہ علماء اور مفتیان کرام ہیں جو مدارس میں 12 تا

16 سال کا عرصہ لگا کر دن رات کی کل وقتی محنت ومشقت کے بعد مجموعی طور پر 16 مختلف علوم وفنون یعنی تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، منطق، فلسفہ، عربی ادب وانشاء، لغت، صرف ونحو، بلاغت وبیان، عروض وقوافی، تاریخ وسیرت اور فارسی زبان کی تقریباً 50 قدیم وجدید اونچے درجہ کی کتابیں پڑھ کر اور امتحان میں کامیابی حاصل کر کے علوم اسلامیہ کی تکمیل کرتے ہیں اور ان کتابوں کا علمی معیار ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات میں پڑھائی جانے والی کتابوں سے بہت بلند ہوتا ہے پھر مدارس عربیہ کا لیکچر سسٹم اسکولوں، کالجوں کے انداز سے مختلف ہوتا ہے اس کا معیار انتہائی تحقیقانہ ہوتا ہے، مدارس میں متعلقہ مضمون کی تقریر کے علاوہ متعلقہ کتب کے مشکل اور مغلق مقامات کا حل بھی کرایا جاتا ہے۔ وہ مقامات نحوی بھی ہوتے ہیں اور صرفی بھی، اصولی بھی ہوتے ہیں اور فلسفیانہ بھی ادبی اور لغوی بھی۔

مدارس میں کتابوں کی کلید اور خلاصہ کا رواج قطعاً نہیں کیونکہ خلاصے صرف رٹنے کے لیے ہوتے ہیں انشراح صدر کے لیے نہیں ان درسگاہوں میں اصل کتاب کی تدریس ہوتی ہے۔ مزید تشریح وتوضیح اور افہام وتفہیم کے لیے کتابوں کی شروح ان کے حاشیے تعلیقات ذیل اور بین السطور تدریس کے لازمی حصے ہوتے ہیں، طلبہ کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلبہ کو سوال کرنے کی پوری آزادی ہوتی ہے پھر دن میں پڑھے ہوئے سبق کا رات کو طلبہ مراجعہ مذاکرہ کرتے ہیں نگران اساتذہ، طلبہ کے اشکالات رفع کرتے ہیں پھر علماء کی اکثریت 16,16 سال پڑھنے کے بعد ہمیشہ کے لیے دن رات پڑھنے پڑھانے میں جت جاتے ہیں، مذکورہ فنون میں سے پانچ پانچ چھ چھ اور کبھی اس سے بھی زاید گھنٹے پڑھاتے ہیں اور ایک پیریڈ میں بسا اوقات تین تین کتابیں بھی زیر تدریس ہوتی ہیں اور ہر مدرسہ میں ایسے علماء آپ کو ملیں گے جو بیس بیس سال تیس سال سے صرف اسی مشغلہ میں لگے ہوئے ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کو قرآن وحدیث پڑھاتے ہوئے اور دارالافتاء میں لوگوں کو مسائل بتاتے ہوئے

نصف صدی گزر چکی ہے جن کے شاگرد سینکڑوں اور فتاویٰ ہزاروں سے بھی متجاوز ہیں۔

پھر ان علماء کی قرآن وحدیث اور دیگر فنون میں مہارت کا منہ بولتا ثبوت اردو، عربی، انگریزی کی وہ کتابیں ہیں جو طبع ہوکر آج ہر بڑے کتب خانہ میں دستیاب ہیں جن میں ایک جلد سے لے کر بیس بیس پچیس پچیس جلدوں تک کی بھی ہیں اور بعض کتابوں کا کئی کئی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

مدارس میں پڑھائی جانے والی کتابوں اور طریقہ تدریس کے بلند معیار کی شہادت کے لیے چند واقعے بھی پڑھتے ہیں۔

واقعہ نمبر 1: مفتی تقی عثمانی صاحب جہان دیدہ میں فرماتے ہیں:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار مبارک سے باہر نکل کر قریب ہی وہ مدرسہ آج تک قائم ہے جس کی بنیاد خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ڈالی تھی۔ اگلے دن بعد مغرب اسی مدرسے میں ایک مقدس بزرگ شیخ محمد عبدالکریم المدرس (حفظہ اللہ) کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ وہ حضرت شیخ امجد الزھادی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے ہیں اور انہوں نے عصری جامعات کے ''ڈگری زدہ'' طریقے کے بجائے قدیم طریقے پر ماہر اساتذہ وشیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی ہے۔ ''ماجستیر'' اور دکتوراہ'' کے اس دور میں ایسے علماء کی قدر و قیمت پہنچاننے والے بہت کم ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ علم دین کی جو خوشبو اور شریعت وسنت کی جو مہک ان بوریہ نشینوں کے پاس محسوس ہوتی ہے، وہ عموماً یونیورسٹیوں کی عالیشان عمارتوں اور ان کے پرتکلف ماحول میں نظر نہیں آتی۔ اس لیے جہاں کہیں جانا ہوتا ہے، ایسے علماء کی تلاش رہتی ہے۔

شیخ موصوف مدرسے کے پہلو میں ایک سادہ سے فلیٹ میں مقیم ہیں۔ قدیم عربی طرز کی نشست، آس پاس کتابوں کے ڈھیر، دروازہ ہر آنے والے کے لیے کھلا ہوا، چہرہ ہمہ وقت گلاب کی طرح متبسم، باتوں میں بلا کی معصومیت، برجستگی اور بے تکلف، تصنع اور دکھاوے سے کوسوں دور، پہلی ہی نظر میں زیارت سے دل باغ باغ ہوگیا۔

ڈاکٹر محمد شریف صاحب (مستشار وزارۃ الاوقاف) نے شیخ کو پہلے سے فون پر

ہمارے آنے کی اطلاع کر دی تھی اور شیخ یہ سن کر بہت مسرور تھے کہ ناچیز کو انہی پرانے طرز کے دینی مدارس اور ان کے علماء سے خادمانہ نسبت حاصل ہے، چنانچہ ابتدائی سلام وکلام کے بعد ان کا پہلا سوال ہمارے مدارس کے نصاب ونظام سے متعلق تھا اور جب میں اپنی درسی کتب میں سے کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، نورالانوار اور توضیح جیسی کتاب کا نام لیا تو وہ تقریباً چیخ پڑے اور وصیت فرمائی کہ اس قسم کی ٹھوس استعداد پیدا کرنے والے نظام تعلیم کو آپ کبھی نہ چھوڑیے کیونکہ ہم اس نظام کو چھوڑنے کے نتائج بد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ساتھ ہی دوسری وصیت یہ کی کہ عراق جس جنگ میں مبتلا ہے اس سے رہائی کے لیے دعا میں ہمیں فراموش نہ کریں اور علماء پاکستان سے بھی اس کے لیے دعا کروائیں۔**(153)**

واقعہ نمبر2: ایک انگریز جاسوس کے دلچسپ مشاہدات:

دارالعلوم دیوبند جس زمانے میں قائم ہوا اس وقت 1857ء کی جنگ آزادی پر صرف 9 سال گزرے تھے چونکہ عام مسلمان اور دارالعلوم کے اکابر جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف صف آرا رہ چکے تھے اس لیے انگریزی حکومت مسلمانوں کے سخت خلاف اور ان سے بدظن وبرگشتہ تھی، مسلمانوں کی حرکات وسکنات پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی، اس بناء پر دارالعلوم کی نسبت مدت تک خفیہ وعلانیہ تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ 1291ھ 1875ء میں صوبہ متحدہ (اتر پردیش) کے گورنر سر جان اسٹریچی نے اپنے ایک معتمد جان پامر کو اس غرض سے دارالعلوم میں بھیجا کہ وہ خفیہ طور پر تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے کہ دارالعلوم کے قیام کا مقصد کیا ہے؟ اور مسلمان علماء دارالعلوم کے پس پردہ کس فکر وعمل میں مصروف ہیں، جان پامر نے دارالعلوم کو دیکھ کر جو رپورٹ تیار کی اور جو تاثرات اس نے اخذ کیے، وہ اس نے اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے نہایت تفصیل سے بیان کیے ہیں، جان پامر نے دارالعلوم کی تعلیمی کیفیت کا انگریزی یونیورسٹیوں سے موازنہ کرتے ہوئے اپنے مشاہدات وتاثرات کا جس دلچسپ اور عالمانہ انداز میں اظہار کیا ہے وہ دارالعلوم کے علمی

موقف کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے، یہ واقعہ دارالعلوم کی ابتدائی زندگی کا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی معیار شروع ہی سے کیا رہا ہے، یہ خط جہاں دارالعلوم کی تعلیمی اور بعض دوسری جزئیات کی تفصیل اور نقد وتبصرے پر مشتمل ہے، وہیں ایک ایسے شخص کی زبان سے جو مخالفانہ نقطہ نظر رکھتا تھا دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات اور اس کے خدوخال کا ایک دلچسپ مرقع سامنے آجاتا ہے، جو نہایت گہرے تاثرات پر مبنی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خط کا پورا متن پیش کردیا جائے۔

جان پامر لکھتا ہے کہ:

''لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی کے ساتھ دورے میں 30 جنوری 1875ء کو دیوبند میں قیام ہوا، گورنر نے مجھ سے کہا کہ ''یہاں دیوبند میں مسلمانوں نے گورنمنٹ کے خلاف ایک مدرسہ جاری کیا ہے، تم اجنبیانہ طور پر اس مدرسہ میں جاکر پتہ لگاؤ کہ کیا تعلیم ہوتی ہے اور مسلمان کس فکر وخیال میں لگے ہوئے ہیں۔'' چنانچہ 31 جنوری کو اتوار کے دن میں آبادی میں پہنچا، قصبہ نہایت صاف ہے یہاں کے باشندے خلیق اور نیک ہیں مگر غریب اور فلاکت زدہ ہیں، پوچھتے پوچھتے مدرسہ میں پہنچا یہاں پہنچ کر میں نے ایک بڑا کمرہ دیکھا جس میں چٹائی کے فرش پر لڑکے کتابیں سامنے رکھے ہوئے بیٹھے تھے اور ایک بڑا لڑکا ان کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے لڑکوں سے دریافت کیا کہ تمہارا استاد کون ہے؟ ایک لڑکے نے اشارہ سے بتایا، معلوم ہوا کہ جو شخص درمیان میں بیٹھا ہوا تھا وہی استاد ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا استاد ہوگا، میں نے اس سے پوچھا آپ کے لڑکے کیا پڑھتے ہیں؟ جواب دیا ''یہاں فارسی پڑھائی جاتی ہے۔'' یہاں سے آگے بڑھا تو ایک جگہ ایک صاحب میانہ قد نہایت خوبصورت بیٹھے ہوئے تھے، سامنے بڑی عمر کے طلبہ کی ایک قطار تھی، قریب پہنچ کر سنا تو علم مثلث کی بحث ہورہی تھی، میرا خیال تھا کہ مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ چونکیں گے، مگر کسی نے مطلق توجہ نہ کی، میں قریب جاکر بیٹھ گیا اور استاد کی تقریر سننے لگا، میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ علم مثلث کے ایسے ایسے عجیب اور

مشکل قاعدے بیان ہورہے تھے جو میں نے کبھی ڈاکٹر اسپرنگر سے بھی نہیں سنے تھے، یہاں سے اٹھ کر دوسرے دالان میں گیا تو دیکھا کہ کہ ایک مولوی صاحب کے سامنے طالب علم معمولی کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں، یہاں اقلیدس کے چھٹے مقالے کی دوسری شکل کے اختلافات بیان ہورہے تھے اور مولوی صاحب اس برجستگی سے بیان کررہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اقلیدس کی روح ان میں آگئی ہے۔ میں منہ تکتا رہ گیا، اسی دوران میں مولوی صاحب نے جبر ومقابلہ ٹاڈ ہنٹر سے مساوات درجہ اول کا ایک ایسا مشکل سوال طلبہ سے پوچھا کہ مجھے بھی اپنی حساب دانی پر پسینہ آگیا اور میں حیران رہ گیا، بعض طلبہ نے جواب صحیح نکالا، یہاں سے اٹھ کر میں تیسرے دالان میں پہنچا، ایک مولوی صاحب حدیث کی کوئی موٹی سی کتاب پڑھا رہے تھے اور ہنس ہنس کر تقریر کررہے تھے، یہاں سے میں ایک زینے پر چڑھ کر دوسری منزل پر پہنچا، اس کے تین طرف مکلف مکان تھے، بیچ میں ایک چھوٹی سی صحنچی تھی جس میں دو اندھے بیٹھے بڑبڑا رہے تھے، میں یہ سننے کے لیے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں دبے پاؤں ان کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ علم ہیئت کی کسی کتاب کا سبق یاد کررہے ہیں، اتنے میں ایک اندھے نے دوسرے اندھے سے کہا ''بھائی! کل کے سبق میں شکل عروسی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آئی، اگر تم سمجھے ہو تو بتلاؤ!'' دوسرے اندھے نے پہلے دعویٰ بیان کیا اور اس کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ کر ثبوت شروع کیا، پھر جو آپس میں ان کی بحث ہوئی تو میں دنگ رہ گیا، اور مسٹر بریگر پرنسپل کی تقریر کا سماں میری آنکھوں میں پھر گیا، وہاں سے اٹھ کر ایک پیچرے میں گیا، چھوٹے چھوٹے بچے صرف ونحو کی کتابیں نہایت ادب سے استاد کے سامنے بیٹھے پڑھ رہے تھے، تیسرے درجہ میں علم منقول کا درس ہورہا تھا۔ میں دوسرے زینے سے اتر کر نیچے آیا، میرا خیال تھا کہ مدرسہ ابھی اسی قدر ہے، اتفاق سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی، میں نے اس سے اپنا خیال کی تصدیق چاہی، اس نے کہا ''نہیں! قرآن شریف دوسری جگہ پڑھایا جاتا ہے۔'' میں نے پوچھا کہاں؟ وہ مجھ کو مسجد میں لے گیا، مسجد کے دالان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ایک نابینا حافظ کے سامنے قرآن شریف پڑھ رہے تھے، حافظ نے ایک

چھوٹے سے بچے کو پکڑ کر بڑی بے رحمی سے پیٹا، بچہ چلایا۔ میں نے اپنے رہنما سے کہا کہ ننھے ننھے بچوں سے ایسی سخت محنت لینا بڑا ظلم ہے۔ اس نے ہنس کر جواب دیا ''بظاہر تو یہ ظلم نظر آتا ہے مگر درحقیقت یہ شفقت ہے! بچوں کو شروع ہی سے محنت شاقہ کا عادی بنا دیا ان کے حق میں عین حکمت اور آیندہ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات پر قابو پانے کے لیے بہت ضروری ہے آج کل مسلمانوں میں یہی تو ایک بات ہمت اور محنت کی رہ گئی ہے اور اسی لیے کچھ ٹوٹا پھوٹا دین ان کے پاس باقی ہے''!

میں نے پوچھا گزشتہ سال اخباروں میں دیکھا تھا کہ چار طالب علموں کے دستار فضیلت باندھی گئی تھی، ان میں سے یہاں کوئی موجود ہے؟ وہ بولا کہ ''ہاں ایک صاحب ہیں، چلیے میں ملائے دیتا ہوں۔'' وہ مجھے ایک مکان میں لے گیا جہاں ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا، ایک موٹی سی کتاب سامنے رکھی تھی اور دس بارہ طالب علم بیٹھے پڑھ رہے تھے، ایک طرف دو بندوقیں پڑی ہوئی تھیں، میں نے سلام کیا، اس نے کمال اخلاق سے جواب دیا، میں نے پوچھا کہ سال گزشتہ آپ ہی کے دستار فضیلت باندھی ہے؟ بولے کہ ''اساتذہ کی عنایت ہے۔'' میں نے کہا کہ یہ کیا کتاب ہے؟ فرمایا کہ ''عربی زبان میں ایک فنی کتاب ہے، ایک مطبع کے مہتمم نے ترجمے کے لیے بھیجی ہے، اس کی اجرت ایک ہزار روپے ٹھہری ہے، مجھے ترجمہ کرتے ہوئے تین مہینے ہوئے ہیں اور تین چوتھائی کے قریب ہو چکا ہے، بقیہ انشاء اللہ ایک مہینے میں ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا یہ بندوقیں کیسی ہیں؟ کہنے لگے ''مجھے شکار کا شوق ہے، سات بجے سے دس بجے تک پڑھاتا ہوں، گیارہ سے ایک تک شکار کھیلتا ہوں اور دو سے چار بجے تک ترجمہ کرتا ہوں۔''

میں نے دریافت کیا، آپ نوکری کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ ''خدائے تعالیٰ گھر بیٹھے بٹھائے ڈھائی سو روپے مہینہ دیتا ہے، پھر کس لیے نوکری کروں؟''

یہاں سے اٹھ کر کتب خانہ میں آیا، منتظم کتب خانہ نے میرا خیر مقدم کرتے ہوئے فہرست دکھلائی۔ میں حیران رہ گیا، کوئی فن ایسا نہ تھا جس کی کتاب موجود نہ ہو، ایک دوسرا رجسٹر دکھلایا جو طلبہ کی حاضری کا تھا اور نہایت صاف، خوش خط لکھا ہوا تھا، من

جملہ 210طلبہ کے 208طلبہ حاضر تھے۔

میں اٹھنے والا ہی تھا کہ ایک صاحب سبزہ رنگ آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا آپ کی تعریف؟ بولے کہ ''میں مہتمم ہوں۔'' اور تین بڑے بڑے رجسٹر میرے سامنے رکھ دیے اور بتلایا کہ ''یہ سال بھر کے آمد وصرف کا حساب ہے، ملاحظہ کیجیے!''

میں نے دیکھا تو تاریخ وار نہایت صحت کے ساتھ حساب لکھا ہوا تھا، گوشوارے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ سال کے آخر میں خرچ کے بعد کچھ روپیہ بچ گیا تھا۔

طبیعت چاہتی تھی کہ کتابوں کی کچھ سیر کروں، مگر وقت تنگ ہو گیا تھا اور شام ہونے کو تھی، مجبوراً واپس ہوا۔

میری تحقیقات کے نتائج یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ، نیک چلن اور نہایت سلیم الطبع ہیں، کوئی ضروری فن ایسا نہیں جو یہاں پڑھایا نہ جاتا ہو، جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے میں کر رہا ہے، مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کوئی تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی! اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پائے تو نفع سے خالی نہیں، انگلستان میں اندھوں کا اسکول سنا تھا، مگر یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ باید وشاید! مجھے افسوس ہے کہ آج سر ولیم موجود نہیں ہیں، ورنہ بکمال ذوق وشوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔(154)

واقعہ نمبر 3:

جنرل سلیمان کی رائے ہے، شیخ محمد اکرام صاحب جن کی کتاب غالب نامہ کے دیباچہ سے میں نے مذکورہ بالا فقرہ (''دنیا میں ایسی قومیں بہت کم ہوں گی جن میں تعلیم اس قدر عام ہے جس قدر ہندوستان کے مسلمانوں میں، ان میں جو کوئی بیس روپیہ ماہوار کا متصدی ہوتا ہے، وہ اپنے لڑکوں کو اسی طرح تعلیم دیتا ہے جس طرح ایک وزیر اعظم اپنی اولاد کو۔'') نقل کیا ہے وہ جنرل موصوف کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں کہ وہ ''ٹھگی کے انسداد کی وجہ سے

ہندوستان کی تاریخ میں ممتاز مرتبہ رکھتے ہیں اور جنہیں ہندوستانیوں کے ساتھ ملنے جلنے کا اتفاق عام یوروپین افسروں سے زیادہ ہوتا رہا ہے۔''

اسی ملنے جلنے اور قریب سے دیکھنے کا یہ اثر ہے کہ تعلیمی ذوق میں بیس روپیہ ماہوار پانے والا ہندوستانی مسلمان ان کو انگلستان کے وزیر اعظم کا ہم رتبہ نظر آتا ہے، جنرل مذکور نے اس کے بعد لکھا ہے:

''جو علوم ہمارے بچے لاطینی اور یونانی زبانوں میں اپنے کالجوں میں حاصل کرتے ہیں وہی یہ لوگ (ہندوستانی مسلمانوں کے بچے) عربی اور فارسی میں سیکھتے ہیں۔''

بیان ان ہی الفاظ پر ختم نہیں ہوجاتا ہے، آگے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے میں نہیں جانتا کہ ایک انگریز مبصر کے ان الفاظ کو سن کو ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ہزار ہا ہزار روپے خرچ کر کے اپنے ناموں کے پیچھے آج ہندوستان میں آکسن اور کینٹب کے لاحقوں کے استعمال کا حق حاصل کیا ہے، جنرل سلیمان لکھتے ہیں:

''سات سال کے درس (یعنی درجہ فضل) کے بعد ایک (ہندوستانی) طالب علم اپنے سر پر جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوتا ہے دستار فضیلت باندھتا ہے اور اسی طرح روانی سے سقراط ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا پر گفتگو کرسکتا ہے، جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم۔'' (دیباچہ غالب نامہ:14)

شیخ صاحب نے اسی جنرل کی کتاب کی دوسری جگہ سے یہ فقرے بھی نقل کیے ہیں:

''ایک تعلیم یافتہ مسلمان (یعنی وہی جس کا نام اب ملا مولوی وغیرہ ہے) فلسفہ اور ادبیات اور دوسرے علوم وفنون پر قابلیت سے گفتگو کرسکتا ہے۔''

آخر میں بالکل صحیح حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''اور بالعموم ان مضامین پر گفتگو کرنے اور موجودہ زمانہ میں جو ان میں تبدیلیاں ہوئی ہیں انہیں سمجھنے کا بہت خواہشمند ہوتا ہے۔'' (155)

الغرض جب یہ بات واضح ہوگئی کہ دینی علوم کے ماہرین علماء ہی ہیں اور انہی سے دین سیکھنا چاہیے اور جو حضرات دینی علوم میں مہارت کا درجہ نہیں رکھتے ان کو چاہیے کہ دین و مذہب میں دخل نہ دیں، حلال وحرام، جائز وناجائز کے لیے خود بھی مفتی حضرات کی طرف رجوع کریں اور عوام کی بھی انہی کی طرف رہنمائی کریں اور نہ ہی درس قرآن کی مسندوں پر بیٹھنے کی کوشش کریں اور عوام کو بھی چاہیے کہ مستند علماء اور اکابر اہل حق کے علاوہ کسی عام آدمی کو درس وتدریس کی مسند پر نہ بیٹھنے دیں اور نہ ہی اس کے حلقہ درس میں بیٹھیں۔

سوال: بسا اوقات کوئی شخص دینی اعتبار سے کسی ایک فن میں ماہر ہوتا ہے لیکن دوسرے فن میں اس کو وہ مقام حاصل نہیں ہوتا ایسے موقع پر دوسرے وہ فنون جن میں اسے مہارت کا درجہ حاصل نہیں ان کے بارے میں اس شخص کی رائے اور تجاویز کا کیا درجہ ہوگا قابل اعتبار ہوں گی یا نہیں؟

جواب: حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''ایک بیماری خاص طور سے ہمارے دور میں پیدا ہوگئی ہے، اس کی تھوڑی سی تفصیل بھی ضروری معلوم ہوتی ہے اور اس کا سمجھنا اس لیے آسان ہے کہ یہ دور، اختصاص (Specialization) کا دور ہے، جو آدمی ڈاکٹر ہے وہ انجینئرنگ کے بارے میں کوئی رائے زنی نہیں کرتا، انجینئر ہے تو وہ طب کے حوالے سے اپنی رائے دوسروں پر مسلط نہیں کرتا، اس طرح کرنا دنیاوی علوم کے بھی مسلمہ اصول کے خلاف ہے، لیکن اسلام اور خاص طور پر فقہ کے بارے میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ اگر ایک شخص نے دین کے کسی میدان میں خدمت انجام دی ہے اور اپنے دائرے میں اچھی خدمت کی ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ چونکہ میں نے اپنے دائرے میں دین کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ لہٰذا اسلام کے ہر شعبے کے علم میں بھی میرا مقام بہت بلند ہے اور اس غلط فہمی کے نتیجے میں وہ تفسیر، حدیث اور فقہ میں عمل جراحی شروع کر دیتا ہے اس عمل جراحی کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کو متحد کرنے کے بجائے ان میں افتراق وانتشار کا ایک نیا دروازہ کھولتا ہے۔ افتراق کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی سوچا سمجھا اور مسلمہ نظریہ

صدیوں سے چلا آرہا ہے اور پوری امت اس کو مانتی آرہی ہے لیکن اچانک ایک شخص اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے، یوں نہیں، یوں ہونا چاہیے، تو ظاہر ہے ساری دنیا اس کی مسلط کردہ ایسی تحقیق (جو مسلمہ نظریہ کے خلاف ہو) کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تو نہیں ہوگی (اور امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ جیسے مجتہد کی اگر ساری دنیا متفقہ طور پر تقلید نہیں کرتی تو آج کے دور میں کسی غیر ماہر فن کی تقلید پر دنیا کیسے متفق ہوسکتی ہے؟) چنانچہ ایسی رائے زنی پر لازماً کچھ لوگ اختلاف کریں گے اور امت دو طبقوں میں بٹ جائے گی، نتیجہ یہ کہ ایک آدمی جس طرح کی خدمات اپنے دائرے میں اچھی اور عمدہ تھیں اور ان کے نتائج بھی اچھے تھے لیکن جب اس نے اپنے آپ کو خود ساختہ طور پر فقیہ بنالیا تو مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کردیا۔

فقہی معاملات میں مولاناؒ کی احتیاط:

اب حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی بات سنیے! اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وفضل کا جو اونچا مقام عطا فرمایا تھا وہ صرف علم ادب، تاریخ اور تفسیر وحدیث کی حد تک محدود نہیں تھا، انہوں نے علم فقہ بھی جلیل القدر اساتذہ سے حاصل کیا تھا، اگر وہ کبھی فقہ کی کوئی بات کہتے تو بے بنیاد تو نہ ہوتی کہ لوگ یہ کہہ دیں کہ مولانا علی میاںؒ نے یہ کیا بات کہہ دی لیکن وہ ساری عمر فقہ کے معاملے میں حد درجہ احتیاط فرماتے رہے۔

مولانا کی تواضع اور فقہ میں احتیاط کا ایک واقعہ:

فقہ کے معاملے میں حضرت مولاناؒ کے انتہائی محتاط رویے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ معظّمہ میں ملاقات کے لیے میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (حضرت مجھ سے بڑی شفقت ومحبت فرماتے تھے) تو سلسلہ گفتگو کے دوران فرمایا کہ بھئی! فقہ میں بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے لیکن آپ لوگ چونکہ فقہ کے کام میں مشغول ہیں، اس لیے ایک مشورہ دیتا ہوں، اس پر ذرا غور فرمالیں، مجھے کوئی جزم نہیں ہے، صرف مشورہ ہے کہ آج کل چونکہ زمانہ کے حالات اتنے بدل گئے ہیں کہ اس میں ہر مسئلہ میں کسی ایک ہی فقہ پر بہر حال

جمود کرنا امت کے لیے تنگی کا سبب بن جاتا ہے اور حضرت تھانویؒ نے عورتوں کی آسانی کے لیے ''حیلہ ناجزہ'' میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، تو یہ بتایئے کہ اس قسم کے دوسرے مسائل میں، جن میں امت کو دشواری ہے، کسی اور امام کے قول پر فتویٰ دے دیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ دیکھیے! حضرت مولاناؒ نے مجھ سے اس طرح کی بات کی، حالانکہ میں ان کے ادنیٰ شاگرد کے درجے میں بھی نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کو اسی بات کی نصیحت فرمائی ہے اور امداد الفتاویٰ میں لکھا ہوا ہے کہ خاص طور پر معاملات کے سلسلے میں لوگوں کو تنگی سے بچانے کے لیے ائمہ اربعہ میں جس کے ہاں کوئی سہولت ملے اسے بوقت ضرورت اختیار کر لینا چاہیے حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو ہمارا کام چل گیا۔

فقہ میں غلطی دعوت کو نقصان پہنچاتی ہے

حضرت مولاناؒ علم وفضل کے جس اعلیٰ مقام پر فائز تھے اس کے باوجود فقہی مسائل میں انہوں نے جزم کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میرے کام کا ایک دائرہ ہے اور ضروری نہیں ہے کہ میں ہر میدان میں اختصاص (Specialization) کا دعویٰ کروں اور اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کروں، کیونکہ اگر ایسا کیا گیا اور وہ رائے فی الواقع غلط ہوئی، تو وہ رائے بحیثیت مجموعی دعوت کو نقصان پہنچائے گی۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے عیسائیت کی رد میں زبردست کام کیا اور اس کا فائدہ بھی بڑے پیمانے پر لوگوں کو پہنچا، لیکن رد عیسائیت پر بڑا کارنامہ انجام دینے کی وجہ سے اگر وہ یہ سمجھ لے کہ مجھے فقہ میں درک اور کمال حاصل ہے اور اس کی بنیاد پر شاذ آراء کی تشہیر شروع کر دے تو یہ چیز فتنے کا سبب بن جاتی ہے اور اس کی بناء پر اس نے عیسائیت پر جو کام کیا تھا، بعض اوقات اس کی تاثیر بھی ماند پڑنے لگتی ہے۔(156)

اسی اصول کی روشنی میں ڈاکٹر ذاکر نائیک، احمد دیدات، ہارون یحییٰ صاحبان کے متعلق ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''ڈاکٹر ذاکر نائیک، احمد دیدات یا ہارون تحییٰ صاحبان کے بارے میں علماء دیوبند کی کیا رائے ہے اس کا ہمیں علم نہیں اور نہ ہی ہم ذاتی طور پر ان حضرات کو جانتے ہیں تاہم جو لوگ ان کو کسی نہ کسی حوالہ سے جانتے ہیں یا ان کی تقریر سن چکے ہیں یا سنتے رہتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کوئی عالم یا مفتی نہیں، بلکہ تقابل ادیان کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں ایک اچھے مناظر میں ان کا شمار ہے لیکن ائمہ مذاہب میں سے نہ صرف یہ کہ کسی کی پیروی نہیں کرتے بلکہ ان کی پیروی کرنے والوں کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جبکہ جناب احمد دیدات صاحب کے بارے میں یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ بھی عالم یا مفتی تو نہیں لیکن عیسائیت اور بائبل کے بارے میں ان کا وسیع مطالعہ ہے اور اسلام کی حقانیت کو منطقی انداز میں مخالفین اسلام خصوصاً عیسائیوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے خود عیسائیوں پر بھی بہت جلد عیسائیت کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ظاہر ہو جاتی ہے جبکہ جناب ہارون یحییٰ صاحب کے بارے میں ہمیں کسی سے کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں اس لیے ان کے پروگرام یا سی ڈی سننے کے بارے میں ہم کچھ نہیں بتا سکتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اور جناب احمد دیدات صاحب کے متعلق لوگوں کی فراہم کردہ معلومات اور ذکر کردہ باتیں درست ہوں تو اول الذکر صاحب کی تقریر وغیرہ سننا ایک عام اور سادہ ذہن آدمی کے لیے درست نہیں جبکہ اہل علم حضرات جائز مقاصد کے واسطے جائز ذرائع سے ان کی تقریر یا سی ڈی وغیرہ سن سکتے ہیں، جبکہ ثانی الذکر صاحب کی تقریر و تحریر سے عام و خاص دونوں جائز حدود میں رہ کر استفادہ کر سکتے ہیں لیکن چونکہ دونوں حضرات عالم یا مفتی نہیں ہیں اس لیے کسی حکم شرعی کے متعلق ان کی کوئی بات اس وقت تک مستند نہیں سمجھی جائے گی جب تک کسی مستند عالم یا مفتی کی تصدیق نہیں ہو جائے گی۔

چوتھی بات: استاذ باعمل ہو اس کے قول وعمل میں تضاد نہ ہو

● **جس کے قول وعمل میں تضاد ہو جو وقتی مفاد کی وجہ سے ہدی پر ہوی کو غالب کر دیتا ہو**

(1) جس شخص کا دینی علم ذاتی مطالعہ پر بھی مبنی نہیں، اس نے باقاعدہ اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے۔

(2) اور اس کے اساتذہ غیر مسلم مستشرقین یا ان کے شاگرد بھی نہیں

(3) اور وہ خود فن کا ماہر اور محقق بھی ہے تو

(3) اب یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے قول وعمل میں تضاد تو نہیں جس کا عمل اس کے علم کے خلاف ہو۔ آجلہ (آخرت) پر عاجلہ (دنیا) کو ترجیح دیتا ہو وقتی مفاد کی بناء پر ھوی (خواہشات) کو ھدی پر غالب کر دیتا ہو، خشیت اور للّٰہیت میں اتنی پختگی نہ رکھتا ہو کہ اس پر یہ اعتماد کیا جا سکے کہ اس کے ضمیر کو دین وایمان کو کوئی خرید نہیں سکتا۔ جو خدمت دین کے بجائے جاہ و مال کا طالب ہو، عُجب، تعلّی وتکبر تنقید اس کا مزاج ہو، الغرض جس کے نہ ظاہری اعمال اچھے ہوں نہ باطنی اخلاق، شریعت کی نگاہ میں ایسے شخص کا دین قابل اعتماد نہیں، ایسے شخص کو بھی نہ پڑھیں نہ سنیں نہ اس کی صحبت اختیار کریں۔

● دور سلف میں جب کوئی کسی سے دین سیکھنے کا ارادہ کرتا تو پہلے اس بات کا بھی اطمینان کرتا کہ ہر شخص اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ صحابہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عادات واخلاق اور طور طریق میں سب سے زیادہ قریب کون سے صحابی تھے؟ تاکہ ہم ان سے سیکھیں، انہوں نے فرمایا: اخلاق، طور طریق اور سیرت وعادت میں ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعود) سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب اور کسی کو میں نے نہیں سمجھتا۔ **(1/157)**

● اسی طرح دورِ سلف میں کسی کو کوئی دینی خدمت سپرد کی جاتی تو اس کے عمل اور اس کے کردار، امانت، دیانت داری اور اہل حق اس پر کتنا اعتماد کرتے ہیں اس کو بھی دیکھا جاتا، جیسے جب

حضرت ابوبکر نے حضرت زید بن ثابت سے قرآن جمع کرنے کی خدمت کے لیے ارادہ فرمایا تو ان سے ان کے انتخاب کی وجہ یوں فرمائی:

إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ، لاَ نَتَّهِمُكَ قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَتَتَبَّعِ القُرْآنَ، فَاجْمَعْهُ۔ (157/2)

تم جوان ہو، عقلمند ہو اور ہم تمہیں کسی بارے میں متہم بھی نہیں سمجھتے تم نبی کریم ﷺ کی وحی بھی لکھتے تھے، پس اس قرآن مجید (کی آیات) کو تلاش کرو۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

جس عالم سے آپ علم حاصل کرنے جا رہے ہیں اس کا عمل اس کے علم کے مطابق ہونا چاہیے اگر خود اس کا عمل اس کے علم کے مخالف ہے یعنی خود وہ دین کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر کاربند نہ ہو تو وہ اس قابل نہیں کہ اس سے علم دین حاصل کیا جائے یا اسے علم میں مقتدا (پیشوا) سمجھا جائے۔ (157/3)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

اس منافق سے بچو جو عالم ہو۔ لوگوں نے پوچھا منافق کیسے عالم ہوسکتا ہے؟ فرمایا بات تو حق کہے گا لیکن عمل منکرات پر کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم یہ بات کہا کرتے تھے کہ اس امت کو وہ منافق ہلاک کرے گا جو زبان کا عالم ہوگا۔

حضرت ابوعثمان نہدی کہتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت پر سب سے زیادہ ڈر اس منافق سے ہے جو عالم ہو۔ لوگوں نے پوچھا اے امیر المؤمنین! منافق کیسے عالم ہوسکتا ہے؟ فرمایا وہ زبان کا تو عالم ہوگا لیکن دل اور عمل کا جاہل ہوگا۔ (158)

حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں:

سب سے بڑی معصیت یہ ہے کہ آدمی جہالت سے ناواقف ہو، عوام پر اعتماد کرے اور اہلِ غفلت کا کلام سنے، جو عالم دنیا دار ہو اس کی باتیں نہ سننی چاہئیں بلکہ جو کچھ وہ کہے اس میں اسے مُتّہم سمجھنا چاہیے اس لیے کہ ہر شخص اپنی محبوب چیز میں مشغول رہتا ہے اور جو چیز مزاج کے مطابق نہیں ہوتی اس کے خلاف کرتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں:

وَلَاتُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَاقَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهٗ فُرُطًا (کھف:28)

اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔**(159)**

امام غزالی علماء آخرت کی علامات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

ان کا فعل ان کے قول کے خلاف نہ ہو بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ جب تک کوئی کام خود نہ کریں دوسروں کو اس کے کرنے کا حکم نہ دیں۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(1) أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (بقرۃ:44)

کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

(2) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ.(صف:3)

اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابل نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

(3) حضرت شعیبؑ نے فرمایا:

وَمَا أُرِيْدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ(ھود:88)

اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جا کر وہی کام خود کرنے لگوں۔

(4) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (بقرہ:282)

اور اللہ کا خوف دل میں رکھو۔ اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے۔

(5) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا (بقرہ:231)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

(6) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا (مائدہ:108)

اور اللہ سے ڈرو اور (جو کچھ اس کی طرف سے کہا گیا ہے اسے قبول کرنے کی نیت سے) سنو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے مریم کے بیٹے تو اپنے نفس کو نصیحت کر اگر وہ تیری نصیحت قبول کرے تو دوسرے لوگوں کو نصیحت کر ورنہ مجھ سے شرم کر۔

بے عمل عالم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مررت لیلة اسریٰ باقوام کان تقرض شفاھم بمقاریض من نار فقلت من انتم؟ فقالوا کنا نأمر بالخیر ولا ناتیه وننھی عن الشر وناتیه۔(160)

جس رات مجھ کو معراج ہوئی اس رات میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹ دیے گئے تھے میں نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ کہنے لگے ہم نیک کام کا حکم دیتے تھے اور خود نیک کام نہیں کرتے تھے۔ ہم برائی سے روکتے تھے اور خود برائی میں مبتلا تھے۔(161)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

- ہماری مراد علماء سے وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر خود عمل کرتے ہوں اور شریعت وحقیقت کے جامع ہوں اتباع سنت کے عاشق ہوں، توسط پسند ہوں افراط وتفریط سے بچتے ہوں خلق (مخلوق) پر شفیق ہوں، تعصب وعناد ان میں نہ ہو۔

(جزاء الاعمال: خاتمہ کی فصل اول)

- ایک جگہ فرماتے ہیں:

قرآن نے علماء بنی اسرائیل کے بارے میں پہلے تو وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ کہا پھر فرمایا وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖٓ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔(بقرۃ:104)

اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص ان چیزوں کا خریدار بنے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بری تھی جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش کہ ان کو (اس بات کا حقیقی) علم ہوتا۔

پہلے لقد علموا (بے شک جان لیا ان لوگوں نے) ان کی اصطلاح کے موافق فرمایا کیونکہ وہ بھی محض جان لینے اور لکھ پڑھ لینے کو علم کہتے تھے پھر لوکانوا یعلمون (کاش

کہ یہ لوگ جان لیتے)اپنی اصطلاح کے مطابق فرمایا جس میں ان سے علم کی نفی ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شریعت میں علم الفاظ ومعانی کا نام نہیں ہے ورنہ تو یہ علماء بنی اسرائیل کو حاصل تھا اس سے نفی ان سے کیونکر ہوسکتی ہے بلکہ علم کے ساتھ جب عمل بھی ہو اس وقت وہ عالم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے

ان من العلم جھلا بے شک بعض علم جہالت ہوتے ہیں۔(162)

اور ظاہر بات ہے کہ ایک چیز علم وجہل نہیں ہوسکتی اس لیے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

ان من العلم عند الناس لجھلا عند اللہ

کہ بعض علم جس کو عرفاً علم سمجھا جاتا ہے وہ خدا کے نزدیک جہل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں محض دانستن نادانستن (جاننے نہ جاننے) کا نام علم نہیں بلکہ ان کی حقیقت کچھ اور ہے وہ وہی جس کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ بعض علم حجۃ اللہ علی العبد ہے جب کہ وہ اس کے مطابق عمل نہ کرے۔(163)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

عالم سے مراد عالم باعمل ہے جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ علماء میں داخل ہی نہیں ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔مصر، بیروت میں عیسائی، یہودی عربی داں ہیں تو کیا ہم ان کو مقتداء دین کہنے لگیں (تجدید تعلیم :ص 34) مگر آج کل جہاں عربی کی دو چار کتابیں پڑھ لیں اسے عالم کہنے لگتے ہیں۔ چاہے اس نے محض معقول و ادب ہی پڑھا ہو۔اگر معقول پڑھنے سے آدمی عالم ہوجایا کرتے تو ارسطو اور جالینوس سب سے بڑے عالم ہونے چاہئیں کیونکہ یہ لوگ معقول کے امام ہیں حالانکہ ان کے موحد ہونے میں بھی کلام ہے اور اگر ادب پڑھنے اور عربی گفتگو کر لینے اور تحریر لکھنے سے عالم ہوجایا کرتے تو ابولہب اور ابوجہل سب سے بڑے عالم ہونے چاہئیں کیونکہ یہ لوگ بہت بڑے عربی داں اور فصیح وبلیغ تھے تو محض معقول وادب سے انسان عالم نہیں ہوسکتا۔(164)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

ایسا علم جو خشیت سے خالی ہو، علم ہی نہیں صاحبو! علم کو میراث انبیاء کہا جاتا ہے تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کون سا علم ہے۔ کیا انبیاء کا علم بھی نعوذ باللہ ایسا ہی تھا جس میں محض مسائل و اصطلاحات کا تلفظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو، ہرگز نہیں، وہاں تو یہ حالت تھی کہ جتنا علم بڑھتا تھا اتنی ہی خشیت بڑھتی تھی۔

حدیث میں ہے کہ:

انا اعلمکم باللہ واخشاکم للہ(165)

میں تم سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں۔

اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں کمال علمی کے ساتھ کوئی دوسرا کمال عملی بھی تھا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اثبات میں دیا جائے گا کیونکہ انبیاء علیہم السلام میں بھی کمال عملی نہ مانا جائے تو پھر کس کے اندر مانا جائے گا کیونکہ وہ حضرات تو افضل المخلوقات ہیں۔ پس یہ کہنا ضروری ہوگا کہ انبیاء میں اس درجہ کمال عملی تھا کہ کسی دوسرے میں ہونا ممکن نہیں جب یہ بات ثابت ہو چکی تو اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وراثت کی وجہ صرف کمال علمی ہے یا کمال عملی بھی اس میں داخل ہے۔ ہم جو غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف کمال علمی وجہ وراثت نہیں ہوسکتا اس لیے کہ جو عالم بے عمل ہیں ہم ان میں کوئی شان مقبولیت نہیں پاتے حالانکہ وارث نبی ہونے کے لیے مقبول ہونا ضروری ہے مثلاً ابلیس کہ وہ بہت بڑا عالم ہے اور دلیل اس کے عالم ہونے کی یہ ہے کہ وہ علماء کے اغواء کی تدبیر کرتا ہے اور بسا اوقات اس میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کسی شخص کے خیالات کو وہی بدل سکتا ہے جو کہ خود بھی کم از کم اس کے برابر ماہر تو ہو جس کے خیالات بدلنے کی کوشش ہے قانون دان کو وہی شخص دھوکا دے سکتا ہے جو کہ خود بھی قانون جانتا ہو تو شیطان کا علماء کے اغواء میں کامیاب ہونا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ بھی بہت بڑا عالم ہے لیکن اس کا جو انجام ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

علماء بنی اسرائیل جن کی نسبت انتم تتلون الکتاب ارشاد ہے مگر ان کی بدانجامی کا ذکر خود قرآن پاک میں مذکور ہے اور جگہ جگہ ان لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے حتیٰ کہ کسی فرقے کی اتنی مذمت قرآن پاک میں نہیں جتنی بنی اسرائیل کی ہے پس معلوم ہوا کہ صرف کمال علمی وراثت کی وجہ نہیں بلکہ عمل کی بھی ضرورت ہے کیونکہ بدوں عمل کے قبولیت نہیں ہوتی اور غیر مقبول وارث انبیاء نہیں ہوسکتا۔ اس کو رسول مقبول نے ایک حدیث میں نہایت واضح فرمادیا ہے فرماتے ہیں:

العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر (166)

علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور نبیوں نے اپنا وارث درہم و دینار کا نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا تو جس نے علم حاصل کیا اس نے ایک وافر حصہ لیا۔

اس حدیث میں علم کو حظ وافر فرمایا ہے اور علم حظ وافر اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب مقرون بالعمل ہو نری صفت علم کو حظ وافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا وبال جان ہونا خود حدیث میں مذکور ہے۔

ان من العلم جهلا بے شک بعض علم جہالت ہوتے ہیں۔(167)

اسی طرح کلام مجید میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاق وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖٓ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْن۔ (بقرۃ:104)

اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص ان چیزوں کا خریدار بنے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بری تھی جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش کہ ان کو (اس بات کا حقیقی) علم ہوتا۔

تو حدیث میں ایسے علم کو جہل فرمانا اور آیت میں علموا کے بعد لوکانوا یعلمون فرمانا صاف بتلاتا ہے کہ یہ علم کسی درجہ میں بھی قابل اعتبار نہیں۔ پس اچھی طرح واضح ہوگیا کہ علم بلا عمل

حظ وافر نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو علم عقاب سے نہ بچا سکے وہ حظ وافر کیا ہوگا حظ وافر وہی علم ہوگا جو کہ مقرون بالعمل ہو مطلق علم وراثت کی وجہ نہیں ہوگا۔(168)

- حضرت شاہ حکیم محمد اخترؒ فرماتے ہیں کہ:

جو خود بامزہ نہیں ہوتا وہ دوسروں کو بھی بامزہ نہیں کرسکتا جو خود بالغ منزل نہ (منزل تک نہ پہنچا ہو) وہ دوسروں کو کیوں کر منزل تک پہنچا سکتا ہے۔

- **جس نے اپنے علم وعلم عقائد ونظریات سیرت واخلاق کو اسوۂ نبوی ﷺ میں ڈھالنے کے لیے اہل قلوب وارباب باطن مشائخ کی صحبت اٹھا کر محنت وریاضت نہ کی ہو یا صحبت تو اٹھائی ہو لیکن ان کا اتباع نہ کرتا ہو**

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

> جن سے علم حاصل کیا جارہا ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عالم اپنے مشائخ کے زیر تربیت اس علم وفن میں پروان چڑھا ہو۔ اس عالم نے اپنے مشائخ سے باقاعدہ علم حاصل کیا ہو اور ان کے پاس ایک زمانہ رہا ہو تاکہ ان مشائخ کی صفات حسنہ اس عالم میں منتقل ہوگئی ہوں۔ سلف صالحین رحمہم اللہ اس بات کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے دین اسی طرح حاصل کیا تھا۔ صحابہ صبر واستقامت کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ لگے رہے آپ ﷺ کے اقوال وافعال کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ آپ ﷺ کی ہر بات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے آپ ﷺ سے دین سیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ انہیں وہ علم اور یقین حاصل ہوگیا جس کے سامنے شکوک وشبہات کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا عمر فاروقؓ کو یہ اشکال پیش آیا کہ جب ہم مسلمان حق پر ہیں تو پھر یہ دب کر صلح کرنا کیا؟ انہوں نے یہ اشکال رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر کے عرض کیا:

یارسول اللہ السنا علی حق وھم علی باطل؟ قال بلی قال

الیس قتلانا فی الجنة وقتلاهم فی النار؟ قال بلی قال ففیم نعطی الدنیة فی دیننا؟ ونرجع ولما یحکم الله بیننا وبینهم؟ قال یا ابن الخطاب انی رسول الله ولن یضیعنی الله ابدا (169)

یارسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں؟ اور کیا یہ مشرکین باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو دینی معاملہ میں کمزوری کا مظاہرہ کیوں کیا جائے؟ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ (یعنی فتح مبین) کے بغیر ہم کیسے واپس جائیں؟ حضور ﷺ نے جواب میں صرف یہ فرمایا: اے خطاب کے بیٹے میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

حضور اکرم ﷺ کے جواب کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے سر تسلیم خم کیا لیکن طبیعت میں شبہ باقی رہا چنانچہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے بھی اپنا شبہ ظاہر کیا مگر حضرت ابوبکرؓ کا جواب بھی وہی تھا:

انه رسول الله ولن یضیعه الله ابدا

کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہرگز انہیں ضائع نہ ہونے دے گا۔

اس کے بعد سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر ان کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو بھی شبہ کا اثر باقی تھا اسی لیے حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلا ''یارسول اللہ افتح ہو'' یارسول اللہ کیا یہ (صلح) فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی اور شبہ کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی صحبت، ان کے سامنے اپنے شبہات کا اظہار، ان کے جواب پر مکمل اعتماد، اپنے شبہ کے باوجود ان کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے ہی سے حق واضح ہوتا ہے اور شکوک وشبہات کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اسی لیے جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے ساتھی حضرت سہل بن حنیفؓ نے شبہات پیش کرنے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

اتہموا رایکم

یعنی اکابر کے سامنے اپنی رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرو۔(170)

اکابر علماء کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے اوران پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے دین حاصل کرنے کا جو زریں اصول ہم نے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ آپ جب بھی کسی قابل اقتدا مستند اور مشہور عالم کے حالات کا جائزہ لیں گے تو یہ بات عیاں ہوگی کہ اس نے اپنے دور میں یقیناً کسی ایسے عالم سے علم حاصل کیا ہوگا جو قابل اقتداء مستند عالم دین سمجھا جاتا ہوگا اور جب بھی آپ کسی فرقہ یا ایسے شخص کا جائزہ لیں جو سنت کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے تو آپ کو نظر آجائے گا کہ اس نے اکابر کے سامنے زانوئے تلمذتہ نہیں کیا۔ اسی لیے علامہ ابن حزمؒ ظاہری کی وسعت مطالعہ کے باوجود ان پر یہ واقعی الزام ہے کہ انہوں نے اپنے اساتذہ سے باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا تھا اور نہ ان کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی اسی لیے ان کی تحریرات امت کے لیے قابل اعتماد نہ ہوسکیں۔(171)

● حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صحابہ کے ان پڑھ ہونے پر فخر فرماتے تھے۔

نحن امة امیون لانکتب ولا نحسب

یعنی ہم امی قوم ہیں حساب کتاب نہیں جانتے (172)

بتلایئے صحابہ نے لکھا پڑھا کچھ بھی نہیں تھا بلکہ بعضے تو ان میں دستخط بھی نہ کرسکتے تھے اور بعض صحابہ کو تابعین کے حوالے کردیتے تھے مگر بایں ہمہ علوم میں وہ سب افضل تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کی شان میں فرماتے تھے اعمقھم علما کہ امت میں سب سے بڑھ کر صحابہ کا علم عمیق ہے۔(173)

آخر وہ کون سا علم تھا کیا درسی اور کتابی علم تھا ہرگز نہیں بلکہ یہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالیٰ

نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا۔(174)

یہی وجہ ہے کہ ان میں قل ھو اللہ پڑھنے والا صحابی جس خوبی اور پختگی سے توحید اسلام سمجھا ہوا تھا آج تیس پاروں کا حافظ بھی اس کا عشر عشیر سمجھا ہوا نہیں۔(175)

● حضرت مولانا قاری طیبؒ فرماتے ہیں:

تعلیم کی اعلیٰ ترین صورت تو یہ ہے کہ معلم اپنی صحبت اور معیت میں رکھ کر طالب علم کو سمجھائے اور اس کو اپنے رنگ میں رنگے تاکہ وہ تقویٰ شعار بنیں۔ اعلیٰ طریق یہی ہے اور یہی طریق انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ صحابی کو صحابی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صحبت یافتہ ہے اور اسی لیے استاذ شاگرد کی اصطلاح سلف میں یہی تھی، اصحابِ ابی حنیفہؒ، اصحابِ محمدؒ، اصحابِ شافعیؒ۔ یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ صحبت یافتہ بھی ہیں۔ انہوں نے محض کتاب نہیں پڑھی بلکہ معیت سے قلب کا رنگ قلب تک بھی پہنچا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔

(البقرۃ:138)

(اے مسلمانو! کہہ دو کہ:) ''ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔''(176)

● حضرت سید صدیق احمد صاحب فرماتے ہیں:

طالب علم کو چاہیے کہ زمانہ طالب علمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلے اور ہر کام اس سے دریافت کرنے کے بعد کرے جیسا کہ پہلے بھی ہم نے اس کو تحریر کیا ہے اور بعد فراغت اس کی خدمت میں رہ کر اپنی ظاہری و باطنی اصلاح بھی اچھی طرح کرلے اس کے بعد کوئی دینی کام شروع کرے بغیر اصلاح کے اخلاص کا پیدا ہونا مشکل ہے جب خود ہی نفس کے مکائد اور اس کی دسیسہ کاریوں سے واقف نہ ہوگا تو ہر وقت خطرہ ہے کہ بجائے اصلاح کے فساد رونما ہو۔

عام طور پر اس طبقہ میں جو بگاڑ آیا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ

پاک نے ارشاد فرمایا:

فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب (انشراح:7.8)

پس جو علماء ورثۃ الانبیاء ہیں ان کو بھی ذکر فکر خلوت مراقبہ محاسبہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

- امام غزالیؒ کو آخر کس چیز نے مجبور کیا تھا کہ درس وتدریس تصنیف وتالیف جیسے محبوب مشغلے کو اپنانے اور مرجع خلائق ہونے کے باوجود طبیعت میں کیوں بے چینی پیدا ہوئی اس کو خود امام کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

> میرا سب سے افضل مشغلہ تدریس وتعلیم کا معلوم ہوتا تھا لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے جو نہ تو اہمیں اور نہ آخرت کے سلسلہ میں کچھ فائدہ پہنچانے والے ہیں، میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہیں تھی بلکہ اس کا باعث ومحرک بھی محض طلب جاہ وحصول شہرت تھا تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوا ہوں اگر میں نے اصلاح حال کی کوشش نہ کی تو میرے لیے سخت خطرہ ہے۔(177)

تقریباً گیارہ سال نفس کے تزکیہ اخلاق نفس کی درستگی وتہذیب اور ذکر اللہ کے لیے اپنے قلب کو مصفی کرنے میں مشغول رہے اس مدت میں جو کچھ حاصل ہوا اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ حاصل ہوا اس کی تفسیر اور اس کا استقصاء تو ممکن نہیں لیکن ناظرین کے نفع کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں ان کی سیرت بہترین سیرت ہے۔

ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں اگر عقلاء کی عقل حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، ان کے تمام ظاہری و باطنی سکنات وحرکات مشکوۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جائے۔ (178)

خلوت میں یہ نور حاصل کرنے کے بعد پھر مدرسہ نظامیہ کے مسند درس کو زینت دی اور دوبارہ تدریس وافادہ کا کام شروع کیا لیکن پہلی اور دوسری حالت میں جو فرق تھا اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میری اس پہلی اور دوسری حالت میں زمین وآسمان کا فرق ہے، میں پہلے اس علم کی اشاعت کرتا تھا جو حصول جاہ کا ذریعہ ہے اور میں اپنے قول وعمل سے اسی کی دعوت دیتا تھا اور یہی میرا مقصود ونیت تھی لیکن اب میں اس علم کی دعوت دیتا ہوں جس سے جاہ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا ہوں۔

- مولانا جلال الدین رومی استاد دوراں اور خود صاحب سجادہ تھے علماء اور طلبہ کا ان کے گرد ہجوم رہتا تھا اور صوفیاء تک ان سے مستفیض ہوتے تھے، آپ کی جب سواری نکلتی تو علماء وطلبہ کے ساتھ امراء کا ایک گروہ بھی رکاب میں ہوتا تھا ان سب کے باوجود کچھ تو اپنے اندر خلاء محسوس کرتے تھے جس کی وجہ سے حضرت شمس تبریزی کی غلامی اختیار کی اور ریاضت ومجاہدہ میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا اس کے بعد اللہ پاک نے ان کو جو نئی روح عطا کی جس سے لاکھوں مردہ دل زندہ ہوئے اس کو دنیا جانتی ہے یہ سب شیخ کامل کی فیض صحبت کا نتیجہ ہے۔ مولانا نے خود ایک جگہ لکھا ہے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

سچ ہے پہلے آدمی کسی اللہ والے کا غلام بنتا ہے تب دنیا کا امام بنتا ہے۔

- حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ، خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ بختیار کاکی، حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ، حضرت صابر کلیریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ کے حالات میں مستقل کتابیں ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اپنی اصلاح کے لیے کیسے مجاہدات اور ریاضات کیے ہیں اور عرصۂ دراز تک شیخ کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کو رام کیا

ہے اس کے بعد پھر دنیا میں اللہ پاک نے جو اصلاح کا کام ان حضرات سے لیا وہ دنیا پر روشن ہے۔

- حضرت سید شاہ علم اللہ شاہ صاحبؒ نے حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں رہ کر بڑی عسرت اور تنگی کے ساتھ گزر کر کے سلوک کے تمام منازل طے کیے اور اپنے باطل سے دنیا کو منور کیا۔
- حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ، حضرت حکیم الامتؒ نے یگانہ روزگار ہونے کے باوجود آخر کیا چیز حاصل کرنے کے لیے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی چوکھٹ پر حاضری دی اور مدت تک ان سے تربیت حاصل کرتے رہے آخر کار مجدد عصر اور امام ربانی ہوئے۔
- قطب وقت حضرت مولانا محمد یعقوبؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب نے ایک مدت تک امام ربانی کی خدمت میں جا جا کر تربیت حاصل کی۔
- دور قریب کے بزرگوں میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے حالات میں ہے کہ برسہا برس اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں رہ کر نفس کی اصلاح کی اور اس زمانہ میں جو مجاہدات کیے یہ انہیں کا حصہ تھا، تفصیلی حالات سوانح میں ملاحظہ کیجیے۔
- حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے عمر کا کافی حصہ اپنے شیخ کی صحبت میں گزارا اور طرح طرح کے مجاہدے کیے دیکھنے والے موجود ہیں کہ ان حضرات سے ہزاروں نے فیض حاصل کیا اور آج بھی ان کا سلسلۂ فیض جاری ہے۔

موجودہ دور میں بندگان خدا جو رشد و ہدایت کا کام کر رہے ہیں انہوں نے اپنے کو بنایا اور سنوارا ہے اس کے بعد اللہ پاک نے یہ خدمت ان کے سپرد کی ہے۔

مجھے اس سلسلہ میں ان تمام اکابر کا استقصاء مقصود نہیں جنہوں نے مجاہدات و ریاضت و صحبت شیخ کے ذریعہ اپنے کو طاہر و مطہر بنایا ہے۔ چند نمونے ذکر کیے گئے ہیں جن سے یہ بات

اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو رذائل سے پاک کرکے محاسن سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تو خود کو کسی کامل سے وابستہ کیے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا خصوصاً ایسا شخص جس کے اندر دینی خدمت کا جذبہ ہے خواہ مدارس میں رہ کر یا کسی اور طریقہ سے اس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ پہلے اپنے کو آراستہ کرلے بعد میں دوسروں کو سنوارنے کی فکر کرے ورنہ بہت اندیشہ ہے کہ بجائے اصلاح کے اس سے شر و فتنہ کا ایسا متعدی دروازہ کھلے جس کا بند کرنا مشکل ہوجائے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کانسے اور پیتل کو سونا بنانے والی کیمیا ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی اور نہ ہر ایک اس کو جانتا ہے اس کو حاصل کرنے کے لیے ایک مدت درکار ہے اور اس کے ماہر کی غلامی شرط اول ہے تو پھر یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ انسان کو حقیقت انسان بنانے والی کیمیا ہر ایک کے پاس ہوگی اور جو چاہے مسند ارشاد پر بیٹھ جائے۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں

اس کے لیے بھی کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑیں گی اور اس کی ہدایت کے مطابق اپنے کو چلانا پڑے گا تب کہیں جا کر نفس کی قید اور اس کے قید سے چھٹکارا پا کر حقیقت تک رسائی ہوگی۔(179)

الغرض یہ بات واضح ہوگئی کہ جس سے علم سیکھا جارہا ہے ضروری ہے کہ اس نے اپنے علم کو عمل میں ڈھالنے سے پہلے صحبت بھی اٹھائی ہو اور صرف صحبت کا اٹھانا ہی کافی نہیں یہ بھی ضروری ہے کہ جن کی صحبت اٹھائی ہو ان کا اتباع بھی کرتا ہو۔ اگر اکثر باتوں میں اتباع نہ کرے تو بھی اس سے علم نہ سیکھا جائے۔

- امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

> یہ ضروری ہے کہ آپ جن اساتذہ اور مشائخ سے علم حاصل کریں انہیں مقتدا سمجھ کر ان کا اتباع کریں اور ان کی صفات حسنہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا اتباع کیا۔ تابعین

رحمہم اللہ نے صحابہ کرام کی سچی پیروی کی۔ تبع تابعین نے تابعین کی صفات اپنے اندر پیدا کیں اور اسی طرح ہر نسل سچے دین کی سچی پیروی کرتے ہوئے یہ امانت اگلی نسلوں تک منتقل کرتی چلی آتی ہے اور اگر کسی نسل کے افراد نے کبھی اپنے اکابر کے اتباع کو ترک کیا تو ان میں طرح طرح کی بدعتیں پیدا ہوئیں کیونکہ بدعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اکابر کے اتباع کو ترک کر کے اپنی خودساختہ رائے کے ذریعہ وہ نئی باتیں پیدا کی جائیں جو دین میں ماثور نہیں ہیں۔(180)

سوال: آپ نے کہا کہ ان سے علم سیکھنا چاہیے جنہوں نے صحبت بھی اٹھائی ہو اور جن اہل حق کی صحبت اٹھائی ہے ان کا اتباع بھی کرتا ہو لیکن بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ کسی میں یہ سب باتیں ہوتی ہیں مثلاً علم دین استاد سے بھی سیکھا ہے ذاتی مطالعہ کی پیداوار نہیں ہے صحبت بھی اٹھائی ہے لیکن بعض باتوں میں وہ جمہور علماء سے بالکل ہٹ کر ایک الگ رائے رکھتے ہیں یعنی بقول آپ کے صحبت تو ہے لیکن اکابر کا اتباع انہیں بالکل چھوڑ دینا چاہیے اور دوسری اکثر صحیح باتیں بھی ان کی نہیں سننا چاہیں؟

جواب: عالم برحق کو چاہیے کہ اپنی انفرادی آراء کو عوام کے مجمع میں بیان نہ کریں لیکن بہرحال عالم برحق سے ایک آدھ باتوں میں اگر لغزش ہو جائے تو اس لغزش میں تو ان کا اتباع نہ کیا جائے لیکن بالکلیہ ان سے اعراض بھی نہ کیا جائے دوسری حق باتیں ان سے سیکھی سنی جا سکتی ہیں۔ یعنی تفرد نہیں لیں گے لیکن تفرد کی وجہ سے ان کو چھوڑیں گے بھی نہیں۔

- حضرت معاذؓ فرماتے ہیں:

میں تم کو عالم کی لغزش سے ڈراتا ہوں اس لیے کہ شیطان کبھی گمراہی کا کلمہ اور گمراہی کی بات حکیم کی زبان سے نکلوا دیتا ہے اور اس کے بالمقابل کبھی منافق اپنی زبان سے کلمۃ الحق کہہ دیتا ہے، اس پر شاگرد نے حضرت معاذؓ سے دریافت کیا کہ آپ نے ابھی جو یہ بات ارشاد فرمائی کہ عالم کبھی گمراہی کا بول بولدیتا ہے اور منافق کبھی کلمۃ الحق کہہ گزرتا ہے تو اس کو ہم کیسے پہچانیں، یعنی یہ کہ یہ بات عالم کی گمراہی کی بات ہے اور منافق کی یہ بات حق بات ہے تو انہوں نے فرمایا ہاں تمہارا سوال درست ہے میں اس

کی علامت بتلاتا ہوں کہ عالم کا کون سا کلام گمراہی کا ہے وہ یہ کہ اگر عالم کی زبان سے ایسی بات نکلے جو لوگوں کے درمیان مشہور ہو جائے اور لوگ یہ کہنے لگیں کہ بھائی یہ کیا بات کہی اس عالم نے، لوگوں میں اس کے بارے میں چرچا اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ فلاں علامہ نے یہ کیا کہہ دیا آگے فرماتے ہیں کہ اگر کسی عالم دین اور عالم برحق سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے اور کوئی غلط بات اس کی زبان سے نکل جائے تو اس لغزش میں تو اس کا اتباع نہ کیا جائے لیکن بالکلیہ اس سے اعراض بھی نہ کیا جائے اور رخ نہ موڑا جائے، یعنی اور دوسرے امور حقہ میں اس کی بات مانی جائے اس لیے کہ ہوسکتا ہے یا امید ہے کہ وہ عالم اپنی لغزش سے رجوع کرے (وتلق الحق اذا سمعتہ فان علی الحق نورا غالباً یہ اس کا جواب ہے کہ منافق کے کلمہ حق کہنے کو ہم کیسے پہچانیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ) جو بات حق ہوتی ہے اس میں نورانیت ہوتی ہے جس کا پتہ خود چل جاتا ہے۔**(181/1)**

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم میں سب سے بہتر قاری قرآن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ علی رضی اللہ عنہ میں قضاء یعنی فیصلے کرنے کی صلاحیت ہے۔ اس کے باجود ہم ابی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے جو ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جن آیات کی بھی تلاوت سنی ہے، میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ماننسخ من آیۃ اوننسأھا الخ کہ ہم نے جو آیت بھی منسوخ کی یا اسے بھلایا تو پھر اس سے اچھی آیت لائے۔**(181/2)**

کتاب:3

علماء کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا حصہ نہ بنئے

باب:1 علماء کی قدر و منزلت پہچانیے

باب:2 علماء پر نہ بلا تحقیق الزام لگائیں نہ کسی کے لگائے ہوئے الزام کو قبول کریں

باب:3 جھوٹے اور غلط الزام نہ لگائیں اور نہ ایسے الزامات قبول کریں

- غلط الزام کا نہ پروپیگنڈہ کریں نہ ہی ان سے متاثر ہوں

باب:5 بدسلوکی/ امتیازی سلوک نہ کریں

باب:1

علماء کی قدر ومنزلت پہچانیے

❑ تمہید

آج کل علماء کی جو نا قدری، انکے ساتھ بے ادبی و گستاخی اور انہیں بُرا بھلا کہنے کا رواج بنتا جارہا ہے، علماء کی تعظیم وتوقیر، عزت واحترام میں بہت حد تک کمی پائی جاتی ہے، غیر تو غیر اپنوں نے بھی علماء کو تنقید کا نشانہ بنالیا ہے، جس مجلس میں بیٹھیں گے جب تک کسی عالم کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نہ نکالیں گے انہیں چین وسکون میسر نہیں آتا، اور منظم سازش کے ذریعہ علمائے امت پر سے اعتماد ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، دشمنانِ اسلام طویل تجربہ کے بعد اس نتیجہ کو پہنچے ہیں کہ مسلمانوں میں فکری الحاد پھیلانا ہو اور ان کو اپنے لحاظ سے مفلوج اور ناکارہ کرنا ہو تو ان کا رشتہ علماء سے توڑنا ضروری ہے، کیونکہ جب تک انکا رشتہ علماء سے جڑا رہے گا اس وقت تک ان کے اندر دینی حمیت اور ایمانی جوش منتقل ہوتا رہے گا، اس لئے اب ان کی پوری توجہ اس بات پر ہے کہ عام مسلمان علماء سے بدظن ہوجائیں اور ان سے اپنا ناطہ توڑ لیں، اس کے لئے علماء کو بدنام کرنے کے لئے منصوبے بنائے جارہے ہیں، اور انکی حیثیت کو کم کرنے کے لئے سازشیں کی جارہی ہیں اور عام مسلمانوں کو ان سے بدظن کیا جارہا ہے، جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں علماء کی عزت وتوقیر کا فقدان ہے، چند دینی معلومات کی بنیاد پر علماء سے بحثیں کرنا روز کا معمول بن چکا ہے، ان کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنا لوگوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔

اس لئے خیال ہوا کہ علماء کی اھانت وتحقیر سے متعلق قرآن وحدیث میں جو وعیدیں آئی ہیں اور ہمارے معاشرے میں عام طور سے علماء پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کے جوابات

سپردِ قلم کردئے جائیں، تاکہ منصف مزاج اور سلیم الفطرت افراد اگر نادانستہ اس بیماری میں مبتلاء ہو چکے ہیں تو یہ مضمون انکے لئے اس مہلک بیماری سے شفاء کا باعث بن جائے۔

❑ علماء کا راستہ جنت کا راستہ ہے آپ بھی انکے ساتھ ہو جائیں

حضرت ابودَرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

جو شخص علمِ دین حاصل کرنے کیلئے کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلا دیتے ہیں یعنی علم حاصل کرنا اس کے لئے جنت میں داخلہ کا ایک سبب بن جاتا ہے۔ فرشتے طالبعلم کی خوشنودی کے لئے اپنے پَروں کو بچھا دیتے ہیں۔ عالم کیلئے آسمان وزمین کی ساری مخلوقات اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں سب کی سب دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ بلاشبہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں کے رات کے چاند کو سارے ستاروں پر فضیلت ہے۔ بلاشبہ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں اور انبیاءؑ دینار اور درہم (مال دولت) کا وارث نہیں بناتے وہ تو علم کا وارث بناتے ہیں، لہذا جس شخص نے علم دین حاصل کیا اس نے (اس میراث میں سے) بھرپور حصہ لیا۔ **(182)**

❑ علماء حق کو اپنا راہنماء وراہبر بنائیں

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علماء کی مثال ان ستاروں کی طرح ہے جن سے خشکی اور تَری کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ جب ستارے بے نور ہو جاتے ہیں تو اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ راستہ چلنے والے بھٹک جائیں۔ **(183/1)**

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے:

علماء نہ ہوتے تو لوگ چوپاؤں (جانوروں) کی طرح ہوتے۔ **(183/2)**

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علمائے کرام ہر شہر میں میرے گمشدہ زیور ہیں۔ جب وہ مجھے نہ ملیں تو انہیں تلاش کرنا میرا مقصد ہے۔ میں نے دل کی درستگی واصلاح علماء کے ساتھ بیٹھنے میں پائی۔ **(183/3)**

حضرت مولانا لاہوریؒ فرماتے ہیں:

علماء نہیں ہوتے تو ہندستان میں دین ختم ہوجاتا مسجدیں ہدایت کی منڈیاں ہیں اور علماء ربانی دکاندار ،اور دکان ان کا سینہ ہے ،اور قرآن مال ہے ،مسلمان خریدار ہے،اور ایمان پونجی ہے، جو خالص نیت سے ایمان یہاں خریدنے آتا ہے خالی ہاتھ نہیں جاتا۔

حضرت لاجپوریؒ فرماتے ہیں:

تم کہتے ہو ملا بے ایمان ہیں، اگر مولوی سوکھے ٹکڑے کھا کر قرآن کو سینے سے نہ لگاتا تو ہندستان میں اسلام ختم ہوجاتا۔ جاؤ تاریخ کے اوراق دیکھ لو ساری قربانیاں علماء کرام ہی کی ملیں گی ہندستان موجود ہے تو وہ علماء کرام کے خون سے ہے۔

□ عالم اللہ کی رحمت کے سب سے زیادہ قریب تر ہے، آپ بھی ان سے قریب رہیں دور نہ بھاگیں آپ پر بھی رحمتیں برسیں گی

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

غور سے سنو! دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ سے قریب کریں یعنی نیک عمل اور عالم اور طالب علم کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور نہیں ہیں۔**(184)**

حضرت سید رفاعیؒ فرماتے ہیں:

اگر علماء اللہ تعالی کے دوست نہیں تو عالم بھر میں کوئی اللہ تعالی کا دوست نہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علیم ہے علماء کو دوست رکھتے ہیں۔

□ علماء کی زندگی میں ان کی قدر کریں ان سے دین سیکھیں اور ان کی صحبت اختیار کریں

حضرت ابودَرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

عالم کی موت ایسی مصیبت ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی اور ایسا نقصان ہے جو پورا

نہیں ہوسکتا۔اور وہ عالم ایسا ستارہ تھا جو (موت کی وجہ سے) بے نور ہوگیا۔ ایک پورے قبیلے کی موت ایک عالم کی موت سے ہلکی ہے۔(185/1)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ (بطور تاکید) یہ ارشاد فرمایا:

علم حاصل کرلو قبل اس کے کہ علم اُٹھایا جائے۔صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے اندر سے علم کیسے اٹھالیا جائے گا؟ جبکہ قرآن ہمارے درمیان موجود ہوگا۔ (راوی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ میں آگئے اور اللہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ نہ دلائے۔اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری مائیں تمہیں گم کریں (یعنی تمہارا ناس ہو)! کیا بنی اسرائیل میں تورات اور انجیل نہیں تھی؟ لیکن تورات وانجیل سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا بے شک علم کے چلے جانے کی صورت یہ ہے کہ علم کے حامل (علمائے کرام) رخصت ہوجائیں۔یہ بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ دہرائی۔(185/2)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

علماء کرام کی مثال ستاروں کی سی ہے جب چمکتے ہیں تو لوگ ان سے راہ پاتے ہیں اور جب چھپ جاتے ہیں تو لوگ حیران و پریشان رہ جاتے ہیں اور عالم کی موت اسلام کا ایسا رخنہ ہے جس کی اصلاح قیامت تک ممکن نہیں۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

شاہان اسلام اور ان کے اراکین سلطنت کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں اسلام کو ترقی دیں، علماء ومشائخ کا احترام کریں اور ان کو دوست رکھیں، اور ظالموں کا قلع قمع کر کے ملک کو عدل وانصاف سے آراستہ کریں تاکہ اہل ملک امن وسکون سے زندگی بسر کریں۔

سلطان اورنگزیب عالمگیر فرماتے ہیں:

میرے بیٹوں عالم اور فاضل حضرات کے ساتھ صحبت رکھنا، جاہلوں سے پرہیز کرنا عقلمندی کی نشانی ہے (سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ) وصایا انبیاء اولیاء

نبوت کا دروازہ بند ہوچکا ہے اس کے علاوہ باقی تمام کمالات نبوی کے حاملین (علماء

کرام) اب تک رہے ہیں، اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے، انہی کی صحبت میں اصلاح حال ہوتی ہے۔

❑ عالم کی کوتاہیوں سے اللہ درگزر کرتے ہیں آپ بھی کریں

حضرت ثعلبہ بن حکمؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کے لئے اپنی (شان کے مطابق) کرسی پر تشریف فرما ہوں گے تو علماء سے فرمائیں گے: کیا میں نے اپنے علم اور حلم یعنی نرمی اور برداشت سے تمہیں اسی لئے نوازا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ تمہاری کوتاہیوں کے باوجود تم سے درگزر کروں اور مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں یعنی تم چاہے کتنے ہی بڑے گنہگار ہو تمہیں بخشنا میرے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے۔**(186)**

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عالم کی لغزش سے بچو، اور اس سے قطع تعلق مت کرو اور اس کے لوٹ آنے کا انتظار کرو، عالم سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم، قرآن کا علم، حدیث کا علم، فقہ کا علم عطا فرمایا ہو۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے اگرچہ ضعیف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے تمام امت نے اسکو قبول کیا ہے۔**(187/1)**

مولانا الیاس صاحبؒ سے کسی نے شکایت کی کہ حضرت مقامی علماء کام میں ساتھ نہیں دے رہے ہیں اس پر حضرت نے غصہ سے فرمایا:

خبردار آئندہ علماء کی شکایت کرنے سے پرہیز کرو ورنہ تمہارا ایمان پر خاتمہ نہ ہوگا۔

علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وہ شخص لوگوں میں سب سے بہترین ہے جو علماء کے متعلق بھلائی اور اچھائی کی باتیں پھیلاتا ہے ، اگر کسی کو اُن کی عیب جوئی کرتے سنتا ہے تو اُس کا دِفاع کرتا ہے۔**(187/2)**

❑ عالم کی قدر و منزلت سمجھ کر تمام مخلوقات اسکے لئے دعاء و رحمت کرتی ہیں، آپ بھی سمجھیں اور دعائیں کریں لعن طعن نہ کریں

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جن میں ایک عابد تھا اور دوسرا عالم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک معمولی شخص پر۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو بھلائی سکھلانے والے پر اللہ تعالی، ان کے فرشتے، آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چونٹی اپنے بل میں اور مچھلی (پانی میں اپنے اپنے انداز) میں رحمت بھیجتی اور دعائیں کرتی ہیں۔(188)

ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اللہ تعالی سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اسے مسلمانوں کی جماعت کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے بڑوں کی تعظیم کرے اور ان کے چھوٹوں پر رحم کرے ان کے علماء کی عزت کرے۔ ان کو ایسا نہ مارے کہ ان کو ذلیل کردے ان کو ایسا نہ ڈرائے کہ ان کو کافر بنادے ان کو خصی نہ کرے کہ ان کی نسل کو ختم کردے اور اپنا دروازہ ان کی فریاد کیلئے بند نہ کرے کہ اس کی وجہ سے قوی لوگ کمزوروں کو کھا جائیں (یعنی ظلم عام ہوجائے)(189)

❑ عالم کا دشمن شیطان ہوتا ہے کوئی اچھا انسان نہیں

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک عالمِ دین شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔(190)

❑ علماء کے مذاق اڑانے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور قرآن کریم کا مذاق اڑانا شمار کیا

ایک منافق کہہ رہا تھا کہ ہمارے یہ قراء بڑے پیٹ والے پیٹو شیخی باز اور بڑے فضول اور

بزدل ہیں۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جب اس کا ذکر ہوا تو یہ عذر پیش کرتا ہوا آیا کہ یارسول اللہ ہم تو یونہی وقت گزاری کے لئے ہنس رہے تھے آپ نے فرمایا:

ہاں تمہارے ہنسی کے لئے اللہ رسول اور قرآن ہی رہ گیا ہے یادرکھو اگر کسی کو ہم معاف کردیں گے تو کسی کو سخت سزا بھی دیں گے۔(191)

مولانا عمر صاحب پالن پوریؒ فرمایا کرتے تھے:

زندگی میں کبھی کسی عالم کی برائی مت کرنا اور کسی عالم کی ذات میں کوئی عیب مت نکالنا ۔اگر تم نے کسی عالم کو برا کہا اور اسکے علم کو حقیر سمجھا تو اللہ تمہاری 10 دس نسلوں تک کوئی عالم پیدا نہیں کریگا استغفر اللہ (اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے علماء کی توہین کا نتیجہ)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے:

اہانت علم اور اہانت اہل علم کفر ہے

مولانا گنگوہی فرماتے ہیں:

جو علماء ربانین کی حقارت کرتا ہے اس کی قبر کھود کر دیکھو اس کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جاتا ہے۔

❑ علماء سے بغض نہ رکھو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے

(11) ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

تم عالم بنو یا طالب علم بنو یا علم کی بات کو توجہ سے سننے والے بنو یا علم اور علم والوں سے محبت کرنے والے بنو (ان چار کے علاوہ) پانچویں قسم کے نہ بنو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ تم علم اور علم والوں سے بغض رکھو۔(192/1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے عالم کی توہین کی تحقیق اس نے علم دین کی توہین کی۔اور جس نے علم دین کی توہین کی تحقیق اس نے نبی کی توہین کی۔اور جس نے نبی کی توہین کی یقیناً اس نے جبرئیل کی توہین کی۔اور جس نے جبرئیل کی توہین کی تحقیق اس نے اللہ کی توہین کی۔ اور جس نے اللہ کی توہین کی قیامت کے دن اللہ اس کو ذلیل ورسوا کرے گا۔(192/2)

❑ علماء سے بغض اللہ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی اور بازار کی عمارتوں کو بلند کرنے لگے گی اور مال و دولت پر نکاح کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں بجائے دین دار اور تقویٰ کے، مال داری دیکھی جانے لگی گی) تو اللہ تعالیٰ ان پر چار قسم کے عذاب مسلط کر دیں گے۔ 1) قحط سالی 2) حاکم کی خیانت 3) حاکم کی جانب سے ظلم و ستم 4) دشمنوں کے مسلسل حملے۔(192/3)

❑ جب مرغ کو اسلئے برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے کہ وہ نماز کیلئے اٹھاتا ہے، تو پھر علماء برا بھلا کہنا کتنا برا ہوگا

(12) حضرت زید بن خالد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

مرغ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ نماز فجر کے لئے جگاتا ہے۔(193)

مولانا عبدالستار صاحب فرماتے ہیں:

شومیئ قسمت۔ ہمارے ملک میں گالی بھی علماء کے لیے اور گولی بھی، فرقہ پرستی کا طعنہ بھی علماء کے لیے اور شہادتیں بھی انہی کی، توہین بھی ان علماء کی اور کردار کشی بھی انہی کے حصہ میں ہے حالانکہ علماء وہ طبقہ ہے جس سے محبت کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود تلقین فرمائی ہے۔

باب:2

علماء پر نہ بلاتحقیق الزام لگائیں نہ کسی کے لگائے ہوئے الزام کو قبول کریں۔

● **سائنسی ترقی میں رکاوٹ ہیں**

اعتراض: بعض لوگ حقائق کا جائزہ لئے بغیر مسلمانوں کے مولویوں کو بھی عیسائی پادریوں پر قیاس کرتے ہیں کہ یہ مولوی سائنسی ترقی اور ریسرچ میں رکاوٹ ہیں جیسے کہ جب سیاسی ترقی اور ریسرچ کا دور شروع ہوا تو عیسائیوں کی مذہبی قیادت نے اس کی مخالفت کی اور سائنس دانوں کو گمراہ قرار دیا اور ان پر فتوی بھی لگایا اور بہت سارے سائنس دانوں کو قابل گردن زنی قرار دیا!

جواب: یہ الزام بلاتحقیق ہے غلط ہے بلکہ صرف اس پر غور کرلیا جائے تو بات واضح ہوجائے گی کہ ماضی قریب میں پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے میں سب سے زیادہ علماء مولویوں کے حلقہ سے آواز اٹھی۔

● **مدرسوں کے نظام پر تنقید**

اعتراض: ایک طبقہ بلاتحقیق مدرسوں اور اس کے نظام کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے بلکہ ان کے خلاف یک طرفہ اعلانات اور کاروائیوں میں روز بروز شدت آرہی ہے؟

جواب: کسی بھی ادارے پر تنقید کرنا کوئی بری بات نہیں اگر اس ادارے کو اچھی طرح دیکھ بھال کر اور اس کے نظام اور اغراض ومقاصد کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اس پر تنقید کی جائے، تو ایسی تنقید خیر مقدم کی مستحق ہوتی ہے اگر کوئی تنقید محض بدگمانیوں کی بنیاد پر کی

جائے تو اس سے اصلاح حال میں مدد نہیں ملتی بلکہ وہ بسا اوقات محاذ آرائی کی شر انگیز فضا پیدا کر دیتی ہے اور اگر یہ تنقید ان سرکاری ذرائع کی طرف سے ہو جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے اور وہ اسے عملی کاروائیوں کی بنیاد بنانے لگیں تو ایسی تنقید ظلم وستم میں تبدیل ہوجاتی ہے جبکہ مدرسوں پر کئے جانے والے الزامات اور تنقیدیں اکثر بلاتحقیق محض بدگمانیوں کی بناء پر ہوتی ہیں عموماً اعتراض اور تنقید کرنے والے ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے آج تک مدرسوں کو دیکھا بھی نہیں ہوتا۔

صحیح طریقہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ خود ان مدارس کے نمائندوں کی بات ٹھنڈے دل ودماغ سے سن لیجئے اور ان مدارس کی صحیح صورتِ حال ان کی زبانی معلوم کر کے پھر اپنے ذاتی مشاہدے سے اس کی تصدیق کر لیجئے اس کے بعد بے شک آپ جو تنقید کریں یا جو اصلاحی تجاویز پیش کریں وہ خیر مقدم کی مستحق ہوں گی۔

باب:3

جھوٹے اور غلط الزام نہ لگائیں اور نہ ایسے الزامات قبول کریں/ نہ پروپیگنڈہ کریں نہ اس سے متاثر ہوں

❑ جہالت کا الزام

● **کوئی خالق تک پہنچا، کوئی مخلوق تک**

ایک شخص نے ایک دینی طالب علم کو دیکھا تو بولا: اہل مغرب چاند تک پہنچ گیا اور آپ بیٹھے دینی درس پڑھ رہے ہیں جس کی دنیا میں کوئی ویلیو نہیں؟

طالب علم نے جواب دیا: کہ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ وہ مخلوق تک پہنچے اور ہم خالق تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ ہمارے اور اہل مغرب کے درمیان ایک تم ہی اکیلے مفلس اور نکمّے ہو، نہ تو ان کے ساتھ چاند پر پہنچ سکے اور نہ ہی ہمارے ساتھ دینی تعلیم پڑھ کر خدا تک پہنچ سکے۔

● **زمانہ کے حالات سے بے خبر**

اعتراض: ایک طبقہ علماء پر یہ الزام لگاتا ہے کہ یہ زمانہ کے حالات سے بے خبر ہیں، بسم اللہ کے گنبد میں بند، ملا کی دوڑ مسجد تک، نیم خواندہ، دقیانوسی ملا، ان کا نصاب تعلیم فرسودہ ہے؟ ان کو کیا پتہ معاشرہ کے تقاضے کیا ہیں؟ ان کی مشکلات کیا ہیں؟ ان کا حل کیا ہے؟

جواب: بحیثیت مسلمان ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اسلام آسمانی مذاہب میں سے آخری مذہب ہے اور قیامت تک کے لیے ہے کامل مکمل مذہب ہے کہ ہر شعبہ اور ہر طبقہ سے متعلق اس میں رہنمائی موجود ہے، یعنی قیامت تک جتنے زمانہ آئیں گے جتنی بھی ترقی ہو جائے قرآن و حدیث میں اس سے متعلق رہنمائی اور مشکلات کا حل موجود ہے جس کو علماء خوب تحقیق و تفصیل سے پڑھتے ہیں، چنانچہ اپنے مدارس میں جب ایمانیات، عقائد اور عبادات پڑھاتے ہیں تو ساتھ ساتھ اسلام کا معاشی نظام، اقتصادی نظام، اسلام کا عدالتی نظام اور اسلام کا حکومتی نظام بھی پڑھاتے ہیں بلکہ درس نظامی میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ ملّا نظام الدین کا تیار کردہ نصاب ہے جو سابقہ حکومت میں باقاعدہ سرکاری نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا تھا پھر علماء کو باقاعدہ کتاب البیوع پڑھائی جاتی ہے۔ جس میں اسلام کا معاشی نظام پڑھایا جاتا ہے، کتاب الربا ہے جس میں اسلامی بینکاری پڑھائی جاتی ہے تاکہ سود سے پاک نظام ہو اور اس میں مضاربہ، مشارکہ کی بنیادوں پر تمویلی معاملات سکھائے جاتے ہیں، کتاب الامارۃ والقضاء پڑھا کر حکومتی اور عدالتی نظام پڑھاتے ہیں، قضا اور عدالتی نظام کیسا ہونا چاہیے؟ درس نظامی میں کتاب المغازی پڑھا کر جنگ کے اصول بتاتے ہیں اسی طرح کتاب الحدود والقصاص پڑھا کر جرائم اور ان کی سزاؤں کی تعلیم دیتے ہیں اور مدرسوں کے اندر اخلاقیات پڑھاتے ہیں اور مدرسوں میں پڑسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، انسانی حقوق، اقلیتوں کے حقوق، ان تمام کی تعلیم دیتے ہیں۔

لہٰذا ان کو معلوم ہوتا ہے کہ معیشت کے میدان کے کیا مسائل ہیں۔ سیاسی میدان کے کیا مسائل ہیں۔ اور قانونی میدان کے کیا مسائل ہیں طب کی دنیا کے کیا مسائل ہیں، علماء اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہیں کوئی طبقہ یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ ہمیں جو مشکلات درپیش ہیں علماء کے پاس اس کی رہنمائی موجود نہیں یا وہ بتاتے نہیں ہیں۔

چنانچہ طبی مسائل ہوں یا معاشی/ اور سیاسی انفرادی یا اجتماعی ماہرین علماء کی عالمی سطح پر کبھی ملکی

سطح پر کبھی اپنے اپنے اداروں میں باقاعدہ غور وخوض کرتے ہیں ریسرچ ہوتی ہے/ کانفرنسز ہوتی ہیں۔ تحقیقی مقالات لکھے جاتے ہیں/ کتابیں وجود میں آتی ہیں امت کو حل بتایا جاتا ہے، ذیل میں بہت ہی اختصار کے ساتھ ان کاموں کو ذکر کیا جاتا ہے!

● خلافت عثمانیہ میں عدالتیں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کیا کرتی تھیں، اس نظام میں جج حضرات کو عموماً فقہ حنفی کے وسیع ذخیرہ میں مطلوبہ مبحث کی تلاش اور مفتیٰ بہ قول کی تعیین میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا، اس پر مستزاد وقت بھی کافی خرچ ہوتا اس کے علاوہ قدیم مصنفین چونکہ قواعد وضوابط کو مستقلاً ذکر کرنے کے بجائے جزئیات کے ضمن میں ذکر کرتے تھے، اس لئے نئے مسائل کا فیصلہ کرتے وقت قواعد کا استخراج بھی انتہائی دقت طلب مرحلہ ہوتا، ان مشکلات کو دیکھتے ہوئے خلافت عثمانیہ کے وزیر انصاف نے وقت کے جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور معاملات ونکاح کے ابواب کو قانونی ترتیب کے مطابق دفعہ وار مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی، چنانچہ کمیٹی نے اپنا کام شروع کیا اور 7 سال کی محنت شاقہ کے بعد 1285ھ میں ایک مجموعہ تیار کیا، اس مجموعے کو مجلۃ الاحکام العدلیہ کا نام دیا گیا۔ مجلہ کی تصنیف نے واقعی فقہ اسلامی کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی داغ بیل ڈال دی، اور مجلہ کی تصنیف کے بعد عالم اسلام میں فقہ اسلامی کی دفعہ وار ترتیب وتدوین کے رجحان میں کافی تیزی آئی۔

● **اسی طرح علماء نے موسوعات اور انسائیکلوپیڈیاز تیار کئے:**

حکومت کویت نے ممتاز فقیہ عالم مصطفیٰ الزرقاء کی سربراہی 1966ء میں ایک ضخیم موسوعہ کی منظوری دی، چنانچہ ماہر علماء نے اس موسوعہ کی تیاری پر تیزی کے ساتھ کام شروع کیا، اور علماء کی محنت رنگ لائی اور تیزی کے ساتھ اس کی جلدیں منظر عام پر آنے لگیں اور اب تک اس کی 45 جلدیں چھپ چکی ہیں، اور پھر اسلامک فقہ اکیڈمی کے علماء نے اس ضخیم موسوعہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو کہ یقیناً اردو داں حضرات کے لئے بیش بہا تحفہ ہے۔

● **اسی طرح فقہ اسلامی اور معاصر قانون کا تقابلی مطالعہ پر کام کیا:**

عصر حاضر میں مغرب عسکری/ اقتصادی/ اور سیاسی لحاظ سے دنیا کی غالب قوت ہے اس غلبے کا نتیجہ یہ ہے کہ فکری میدان میں بھی مغربی افکار اور نظریات کی بالا دستی ہے اور عالم اسلام کے بیشتر ممالک میں نظام حکومت و سیاست مغربی قوانین کے مطابق ہے ان ممالک کے دساتیر میں اسلامی قوانین کی آمیزش کے باوجود مغربی قوانین اور اقوام متحدہ کے عالمی چارٹر کے اصولوں کا غلبہ ہے برصغیر میں انگریز ایک طویل عرصے تک قابض رہے، اس لئے یہاں انگریزی قوانین اور برطانوی طرز فکر سے مرعوبیت مقتدر طبقے پر چھائی ہے، جبکہ افریقی اور بعض عرب ممالک پر فرانس نے ایک لمبے عرصے تک قبضہ جمائے رکھا، جس کے نتیجے میں وہاں فرانسیسی قوانین اور افکار سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ مرعوب ہے، اسلامی طرز فکر کی مغلوبیت اور مغربی افکار کے غلبے کی وجہ سے اسلامی قوانین کے بارے میں عالم اسلام کا مقتدر طبقہ ذہنی کشمکش اور فکری اضطراب کا شکار ہو گیا۔ اس فکری بے چینی کے نتیجہ میں اسلامی قوانین کے بارے میں متنوع اشکالات پیدا ہوئے۔ اس لئے معاصر فقہاء اور اصحاب فکر ونظر کے حلقوں میں یہ رجحان پیدا ہوا کہ اسلامی طرز حیات یعنی فقہ اسلامی اور مغربی قوانین کا ایک تقابلی جائزہ لیا جائے جس میں فقہ کے اسلامی محاسن اور خوبیوں کو آشکارا کیا جائے، چنانچہ عصر حاضر میں فقہ اسلامی اور اس کے مختلف ابواب کا معاصر قانون سے تقابل پر علماء نے کام کیا اور ان کی مختلف تصنیفات منظر عام پر آئی ہیں۔

● اسی طرح اقتصادی اور تجارتی معاملات نے جب ترقی کا سفر کیا اور نئی نئی تجارت کی شکلیں وجود میں آئیں تو علماء نے ان معاملات کو سمجھا اور امت کو اس کا حل بتا دیا اور اس موضوع پر بہت کچھ تصنیف کیا۔

● اسی طرح جب معاشرے میں جرائم کی جدید شکلیں وجود میں آگئیں اور ان میں اضافہ روز بروز بڑھتا گیا اور حادثات کی نت نئی صورتیں پیدا ہو گئیں جس کی وجہ سے شرعی حل پہچاننا

مشکل ہوا تو علماء نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اس موضوع پر بہت کچھ تصنیف کیا۔

● اسی طرح جب خلافت وملوکیت کا دور ختم ہوا اور اس عالم میں جمہوری نظام رائج ہوا تو اس نظام کے تحت سیاسی مسائل پیدا ہوئے اور جن مشکلات کا لوگوں نے سامنا کیا اور جن مشکلات میں گرفتار ہوئے اس کے حل کے لئے بھی علماء نے اپنے حصہ کا کام کیا اور انتہائی باریک بینی سے اس کے حل میں بہت سی کتب مرتب فرمائیں۔

● اور پھر اسی طرح موجودہ زمانہ میں عدلیہ کے حوالہ سے جو مصائب اور مشکلات رونما ہوئیں تو علماء نے اس کی دقتوں (باریکیوں) کو سمجھا اور اس کے حل میں اپنے حصہ کا کام کیا اور بہت سی کتب اس حوالہ سے تصنیف فرمائیں۔

● چونکہ زمانہ نے ترقی کی اور مملکت کے مابین تعلقات میں بھی پیش رفتیں بڑھیں تو ضرورت پڑی کہ ان کے درمیان ایسے قوانین ہوں جن سے جانبین سے پابندی کی صورت میں تعلقات کا سلسلہ مضبوط ہو تو اس موضوع پر بھی علماء نے رائج شدہ قوانین اور ممالک کے تعلقات پر اچھی طرح غور وخوض کر کے بصیرت افروز کام کیے۔

● **جدید ٹیکنالوجی کے میدان میں علماء کی خدمات**

● فقہ اسلامی تک رسائی اور استفادہ ہر خاص و عام کے لئے آسان بنانے کے واسطے معاصر علماء نے ٹیکنالوجی کے میدان میں متنوع کام کئے ہیں۔

ایک طرف ایسی فقہی ویب سائٹس بنائی گئیں جن پر چاروں مسالک کی اہم کتب، فقہی رسائل ومقالہ جات اور نت نئے مسائل سے متعلق مفید ابحاث موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ایسے فقہی سافٹ ویئرز اور پروگرام ترتیب دیئے ہیں جن میں فقہ اسلامی کا معتد بہ ذخیرہ سرچ کی جدید سہولت کے ساتھ موجود ہے۔ ان مفید اقدامات کا نتیجہ یہ ہے کہ محققین اور مراجعت کرنے والوں کے لئے کسی فقہی مبحث کی تلاش آج کے دور میں پہلے زمانوں کی بنسبت انتہائی آسان ہے۔

● اس طرح ارباب دارالافتاء نے آن لائن فتاوی کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا جس میں ایک اجمالی جائزے کے مطابق تقریباً 10 ہزار فتاویٰ موجود ہیں اور ان فتاوی جات کی تلاش کی سہولت بھی مہیا کی گئی ہے۔

نیز دنیا کے کسی کونے میں بھی بیٹھے شخص کی ہر طرح کی شرعی رہنمائی کا راستہ ہموار کر دیا۔

اعتراض۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مدرسوں کی تعلیم جامع ہے اور وہ معاشرے کی اور زندگی کے ہر طبقہ اور شعبہ کے لیے جامع ہے، علماء یہ سب کچھ پڑھتے ہیں تو ہمیں معاشرہ میں علماء کی صلاحیت نظر کیوں نہیں آتی؟ اور مدارس دینیہ سے نکلنے والے افراد معاشرہ کی کوئی مفید خدمت انجام کیوں نہیں دیتے؟

جواب: بحمداللہ! ہم سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام اور اوامر ونواہی کو جانیں اور ان کے مطابق زندگی گزاریں، مدارس دینیہ کے فضلاء مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں، خواہ وہ مدرسوں میں ہوں یا مساجد میں، آپ غور فرمائیں تو اسلامی علوم وفنون سے مسلم معاشرہ کے ربط وتعلق کو قائم رکھنے کا واحد ذریعہ یہی مدارس ہیں، مساجد کے لئے مناسب علمی صلاحیت کے خطباء اور ائمہ اور اسلامی تعلیمات کے لئے اساتذہ دینی مدارس سے پیدا ہوتے ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے فقہی جوابات کا ذریعہ انہی مدارس کے دارالافتاء ہیں، اصلاح احوال کے لئے معاشرہ میں جتنی تحریکیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان کا منبع یہی دینی مدارس ہیں۔ پاکستان کی شرح خواندگی کا تناسب افسوس ناک حد تک کم ہے، ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے یہ دینی مدارس شرح خواندگی کی اس کمی کو کافی حد تک کنٹرول کرنے میں معاون ہیں۔

● باقی دیگر شعبوں میں علماء کی کارکردگی کھل کر سامنے اس لئے نہیں آ رہی کیونکہ ہمارے ملک

میں مکمل اسلامی نظام نہیں ہے، اگر ہماری پارلیمنٹ میں قانون سازی اسلام کے مطابق ہو، ہماری عدالتیں اسلام کے مطابق فیصلہ کریں، بینکوں میں کاروبار اسلام کے مطابق ہو تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا مدرسوں کا پڑھا ہوا وہاں پر کام کر رہا ہے۔

● **مدارس سے ڈاکٹر اور انجینئر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟**

اعتراض: کبھی کہتے ہیں کہ ان مدارس میں مروجہ عصری علوم پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے، یہ صرف دینی تعلیم دیتے ہیں اور طلبہ کو دنیوی علوم سے بالکل بے بہرہ رکھتے ہیں، بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان مدارس سے ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ کیوں پیدا نہیں ہوتے؟

جواب: اجمالی اور اصولی بات یہ ہے کہ اجتماعی اور ملی جد و جہد میں ایک طبقہ تمام فرائض انجام نہیں دے سکتا بلکہ مختلف طبقات اپنے اپنے فرئض انجام دیتے ہیں اور سب پوری ملی جد وجہد میں مجموعی طور پر شریک سمجھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اور انجینئر بنانا مولوی کے فرائض اور ذمہ داریوں میں شامل ہی نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں بہت سے علوم پھیلے ہوئے ہیں اور ایک شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ بیک وقت ان تمام علوم کا ماہر ہو، اختصاص کا دور ہے اور بہت سے ادارے صرف کسی ایک علم میں مہارت پیدا کرنے کیلئے قائم ہوتے ہیں۔ جیسے میڈیکل کالج طب کی خصوصی تعلیم دیتا ہے اور لاء کالج میں قانون کی خصوصی تعلیم ہوتی ہے تو اب اس مخصوص تعلیمی اداروں پر یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ وہ دوسرے علوم کے ماہرین کیوں نہیں پیدا کرتے چنانچہ میڈیکل کالج پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ انجینئرنگ کیوں نہیں سیکھاتا؟ اسی طرح لاء کالج پر کوئی معقول شخص یہ اعتراض نہیں اٹھاتا کہ اس کالج سے ڈاکٹر کیوں نہیں پیدا ہو رہے؟ اسی طرح سائنس دانوں پر یہ اعتراض درست نہیں کہ برطانیہ میں جتنے سائنس دان ہیں ان میں سے ایک بھی ڈاکٹر نہیں۔

● اسی طرح اگر دینی مدارس صرف اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم دیتے ہیں تو ان پر یہ اعتراض کوئی معقولیت نہیں رکھتا کہ یہاں سے ڈاکٹر اور انجینئر کیوں پیدا نہیں ہوتے۔

• صحیح بات یہ ہے کہ ایک حد تک تمام مضامین پڑھانے کے بعد جن کی ہر پڑھے لکھے آدمی کو ضرورت ہوتی ہے اس کے سوا چارہ نہیں کہ طالب علم اپنی ایک خصوصی لائن مقرر کر کے اس لائن میں مہارت پیدا کرے، دنیا بھر میں یہی ہو رہا ہے کہ میٹرک یا O لیول کی سطح تک ضروری مضامین سب مشترک طور پر پڑھتے ہیں اس کے بعد آرٹس/ سائنس/ کامرس/ میڈیکل/ یا انجینیئرنگ وغیرہ میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے اس کی خصوصی تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔ لہذا اگر دینی مدارس میٹرک کی سطح کے بعد صرف اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم دیتے ہیں تو اس میں کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

• علماء میں ملک چلانے کی اہلیت نہیں

اعتراض: کبھی کہتے ہیں کہ ہم ملک کی باگ ڈور چند قاعدہ پڑھے ہوئے لوگوں کے سپرد نہیں کر سکتے ہیں، اسکا مطلب یہ ہوا کہ مدارس کے فارغ التحصیل لوگوں میں یہ اہلیت ہی نہیں کہ وہ ملک کی باگ ڈور سنبھال لیں؟

جواب: ملک کو قاعدہ نہ پڑھے ہوئے لوگوں نے بے قاعدہ نظام کے ذریعہ چلایا تو آج ملک تباہ ہو چکا ہے، قاعدہ نہ پڑھے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں نظام ہونے کی وجہ سے آج ملک گروی رکھ دینے کے مترادف ہو چکا ہے، اگر یہ لوگ کسی قاعدے کے پڑھے لکھے ہوتے تو ملکی نظام کسی قاعدے سے چل رہا ہوتا۔

• جہاں تک مدارس کے پڑھے ہوئے لوگوں کی اہلیت کا تعلق ہے تو علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ، مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ نے پاکستان کے آئین کو بنانے میں جو کردار ادا کیا سب کے سامنے ہے، کیا یہ لوگ F.C کالج کے پڑھے ہوئے تھے؟ یہ لوگ مدارس کے پڑھے ہوئے تھے! اس لئے ملک کی باگ ڈور قاعدہ پڑھے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی تو وہ ملک کو قاعدہ و قانون کے تحت چلائیں گے، تو ملک نہ صرف ترقی کرے گا بلکہ خود مختار اور حقیقی اسلامی فلاحی ریاست کا عکس بھی پیش کرے گا۔

❑ فرقہ واریت اور انتہاء پسندی کا الزام

• فرقہ واریت اور انتہاء پسندی کی تعلیم دینا

اعتراض: ایک طبقہ علماء پر یہ الزام لگاتا ہے کہ دینی مدارس میں فرقہ واریت کی اور انتہاء پسندی کی تعلیم دی جاتی ہے، چونکہ تعلیمی نصاب انتہاء پسندی کی تعلیم دیتا ہے اس لئے اس کو بدلنے کی ضرورت ہے؟

جواب: انتہاء پسندی کی تعلیم کا الزام بالکل غلط ہے دینی مدارس میں کوئی کتاب ایسی نہیں پڑھائی جاتی جو فرقہ واریت انتہاء پسندی مختلف فرقوں کو قتل کرنے کی ترغیب دیتی ہو۔

• صحیح بات یہ ہے کہ جوں جوں اس میں غور وفکر کے غوطے لگائے جائیں گے یوں یہ بات مترشح ہوتی جائے گی کہ دینی مدارس کے 8 سالہ نصاب میں اعتدال، لچک، میانہ روی، برداشت، اپنائیت، خدمت انسانی، اعلیٰ اخلاقی اقدار، رحماء بینھم کا درس دیا جاتا ہے، مثلاً.....

• علم فقہ

یہاں مختلف فقہاء کی فقہ پڑھائی جاتی ہے فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی..... چاروں فقہاء کرام کی فقہ بطور خاص پڑھائی جاتی ہے لیکن آپ آکر یہاں کے اساتذہ کا درس سنیں اور یہاں کے طلبہ سے گفتگو کرلیں آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ کس قدر عقیدت واحترام کے ساتھ دوسرے ائمہ اور فقہاء کا نام لیا جاتا ہے اگرچہ یہاں کے مدارس میں اکثریت فقہ حنفی کی مقلد ہے لیکن دوسرے ائمہ کا نام جب بھی لیا جاتا ہے اور ان کا مسلک ذکر کیا جاتا ہے تو ان کا پورا پورا احترام ملحوظ رہتا ہے، یہاں اساتذہ کو تو چھوڑیں طلبہ کو بھی آپ کبھی مالک، شافعی، کہتے نہیں سنیں گے بلکہ جب کبھی وہ ان کا نام لیں گے تو امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کہیں گے، ظاہر ہے جہاں اس طرح کی تربیت کا ماحول ہو وہاں فرقہ ورانہ دہشت گردی کیسے پروان چڑھے گی۔

● علم تفسیر

مدارس اسلامیہ میں قرآن مجید کی تفسیر کے لئے سلف صالحین کی تفسیروں کے اتباع کو ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود دوسرے مکاتب فکر کے اکابر کی تفسیروں کو بھی قطعی نظر انداز نہیں کیا جاتا، اس کی واضح مثال یہ ہے کہ تفسیر " کشاف " جو کہ مشہور معتزلی مفسر علّامہ زمخشری کی تفسیر ہے اس سے نہ صرف تفسیر کے درس میں استفادہ کیا جاتا ہے بلکہ قرآن مجید کے اعجاز اور فصاحت و بلاغت کے بیان میں اس کی رائے کو بطور سند کے پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ معتزلہ کے بہت سے عقائد اہلسنت کے کئی اصولی عقائد سے تصادم ہیں اور پھر علامہ زمخشری نے اس تفسیر کے اندر اہلسنت کے خلاف کئی مواقع پر سخت مؤقف بھی اختیار کیا ہے، مزید برآں حنفی مسلک سے وابستہ دینی مدارس کے نصاب میں شامل تفسیر کی سب سے اونچی کتاب جلالین کے دونوں مؤلفین شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن ہمارے ارباب مدارس نے محض اس اختلاف نظر کی بنیاد پر اس عظیم تفسیر کو اس کے جائز مقام سے محروم نہیں کیا جو ان کی وسعت نظری کی واضح دلیل ہے۔

● علم حدیث

ہمارے مدارس میں جو کہ اکثر مسلک امام ابو حنیفہؒ سے تعلق رکھتے ہیں بلاتفریق مسلک احادیث کی تمام مشہور کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن میں سرفہرست بخاری شریف ہے اور امام بخاریؒ سے بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے ان کی کتاب کو کتاب اللہ کے بعد سب سے عظیم اور صحیح سمجھا جاتا ہے، طحاوی شریف کے علاوہ احادیث کی تمام کتابیں جو ہمارے نصاب میں شامل ہیں غیر حنفی ائمہ کی اور ان کتابوں کو حنفی درس نظامی میں اتنی اہمیت حاصل ہے کہ ان کو پڑھے بغیر کسی طالب علم کو فراغت کی سند نہیں مل سکتی، اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ احادیث پڑھانے والے کئی اساتذہ اور طلبہ احادیث تلاش کرنے کے لئے عیسائی مستشرقین۔ "بروکلین" کی کتاب "**المعجم المفهرس لالفاظ الحديث**" سے استفادہ کرتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، علاوہ ازیں

اس زمانے میں بیروت سے شائع ہونے والی یہودی مستشرقین کی کئی کتابیں مدارس اسلامیہ کی لائبریریوں میں تحقیق واستفادہ کے لئے رکھی جاتی ہیں۔

● **علم اصول حدیث**

اس کے علاوہ اصول فقہ میں علامہ تفتازانی کی" التوضیح والتلویح" بھی نصاب میں شامل ہے، جن کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ وہ حنفی مسلک کی کئی کتابوں کی شرح لکھنے کے باوجود شافعی المسلک تھے۔

● **علم کلام**

کلامی ابحاث کے حوالے سے علمائے اہلسنت کے دو مشہور مکاتب فکر ہیں: ماتریدی اور اشعری۔ ہمارے اکثر ائمہ احناف ماتریدی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ جان کر آپ کو تعجب ہوگا کہ اس اہم اور حساس فن میں پڑھائی جانے والی واحد کتاب "شرح عقائد" اشعری مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے محقق علامہ سعد الدین تفتازانی کی ہے، عقائد کے معاملے میں خصوصیت کے ساتھ اس قدر وسعت ظرفی کا مظاہرہ شاید ہی کسی مکتب فکر نے کیا ہو۔

● **علم لغت**

علم لغت میں مدارس اسلامیہ میں تاج العروس مصباح اللغات اور دیگر شاہکار کتابوں کے ہوتے ہوئے عیسائی لوئس معلوف کی شہرہ آفاق کتاب "المنجد" سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے اور یہ کتاب تقریباً ہر بڑے عالم اور مدرسے کے کتب خانے میں لازماً موجود ہوتی ہے، حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اس کے مرتب نے لغات کے بیان میں عیسائیت کے پرچار کی کوشش بھی کی ہے اور کئی اسلامی اصطلاحات کو بگاڑ کر بیان کیا ہے۔

● **علم ادب**

علم ادب میں اپنے زمانے میں نبوت کا دعوی کرنے والے ادیب وشاعر متنبّی کی کتاب پڑھائی جاتی ہے جس کی دینی اور اخلاقی حالت تذکرہ نویسوں کے بقول نہایت ہی قابل رحم تھی لیکن چونکہ ان کی کتاب فن ادب کا شاہکار ہے اس لئے علماء نے اس کے عقائد اور

خیالات سے قطع نظر کر کے طلبہ کو ان کے ادب سے مستفید ہونے کا موقع دیا ہے۔ جاہلیت کے زمانے کی شاہکار عربی نظموں کا مجموعہ ''السبع المعلقات'' بھی بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہے جس کے مندرجات میں جاہلیت کے عقائد اور نظریات بھی شامل ہیں۔ علما نے ان مندرجات سے صرف نظر کر کے ان کی ادبی حیثیت کا اعتراف کیا ہے اور اسے اپنے نصاب میں ممتاز مقام عطا کیا ہے۔

● **علم عروض وقوافی**

علم عروض وقوافی: علم عروض وقوافی وہ علم ہے جس کے ذریعے ہر زبان میں شعر وشاعری کے قواعد اور قوانین بیان کیے جاتے ہیں۔

اس فن میں عالمِ اسلام کے کئی ائمہ فن نے کئی چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن مدارسِ اسلامیہ کی وسعت ظرفی کا اندازہ لگا لیجیے کہ اس فن سے متعلق نصاب میں شامل واحد کتاب کسی عربی عالم یا اسلامی ادیب کی نہیں بلکہ امریکا کے شہر نیویارک سے تعلق رکھنے والے برطانوی نژاد عیسائی مصنف ''ڈاکٹر تیلسس فنڈیک'' کی ہے جو ''محیط الدائرۃ'' کے نام سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصابی نقشے میں موجود ہے اور اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش موجود ہے کہ دینی مدارس میں انتہا پسندانہ رجحانات کا درس دیا جاتا ہے؟

● **علم منطق**

دینی مدارس پر انتہا پسندی کے حوالے سے سب سے زیادہ الزامات شیعہ سنی اختلافات کے حوالے سے لگائے جاتے ہیں۔ یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ مدارس میں مخالف فرقے کو قتل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس پروپیگنڈے کی حقیقت کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ دینی مدارس کے نصاب میں ابتدائی درجات کے طلبہ کے لیے علم منطق کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک ''شرح تہذیب'' بھی ہے جو کسی سنی عالم کی نہیں بلکہ ایران سے تعلق رکھنے والے شیعہ مصنف علامہ بن الحسین اصفہانی کی ہے۔ آج تک اس کتاب کے شامل نصاب

ہونے پر کسی مدرسے یا کسی عالم نے کوئی احتجاج نہیں کیا ہے بلکہ اس خوشدلی کے ساتھ استفادہ کیا جاتا ہے۔'' یہ چند مثالیں پیش کی گئیں ورنہ نصاب میں شامل تمام کتابوں اور ان کی شروحات وتعلیقات کو سامنے رکھ کر دینی مدارس اسلامیہ نے اپنے طرز تعلیم میں کبھی فرقہ وارانہ سوچ نہیں اپنائی اور ان کا دامن ان تمام الزامات سے پاک ہے جو مغربی میڈیا کے ذریعے ان پر لگائے جاتے ہیں۔

• اگر دینی مدارس کا نصاب انتہاء پسندی کی تعلیم دیتا ہے تو ضیاء دور میں وزارت تعلیم یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اس نصاب کو منظور نہ کرتا اور مدارس کی شہادۃ العالیۃ کی ڈگری کو M.A عربی اور M.A اسلامیات کی ڈگری کے برابر کا درجہ نہ دیتا۔

• دینی مدارس کے انتہاء پسندی و دہشت گردی میں ملوث ہونے کا سوال ہے تو یہ مدارس 10/12 سال پہلے نہیں بنے جس سے دہشت گردی شروع ہوئی ہے۔

مدارس پاکستان بننے سے قبل کے موجود ہیں، اس وقت بھی ان کا نصاب تقریباً یہی تھا تو اس وقت مدارس کے نصاب نے نوجوانوں کو دہشت گردی کیلئے کیوں نہ اُبھارا؟

□ فرقہ واریت اور انتہاء پسندی میں ملوث ہونا

اعتراض: ایک طبقہ علماء پر یہ الزام لگاتا ہے کہ دینی مدارس فرقہ واریت اور انتہاء پسندی میں ملوث ہیں؟

جواب:

• حکومتی رپورٹ آچکی ہے کہ ملوث نہیں

پاکستان کے دینی مدارس کو عالمی میڈیا کے ذریعے بلاوجہ طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جارہا ہے، حالانکہ یہ بات ایک سے زائد بار دلائل وشواہد کے ساتھ واضح ہوچکی ہے کہ پاکستان کا کوئی مدرسہ بھی کسی قسم کی دہشت گردی میں ملوث نہیں، پاکستان کے سابق وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین نے صاف لفظوں اعلان کیا کہ انہوں نے اپنے دور میں پورے ملک کے مدارس کی چھان بین کرائی مگر کوئی مدرسہ بھی دہشت گردی کی تربیت میں ملوث نہیں پایا گیا۔

• نیز گزشتہ دو سالوں کے درمیان ملک کے درجنوں دینی مدارس پر چھاپے مارے گئے ہیں اور اچانک آپریشن کیا گیا ہے لیکن کہیں بھی کوئی ہتھیار یا ٹریننگ کے آلات موجود نہیں پائے گئے حتی کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے حکومت کے ساتھ مذاکرات اور کھلے اعلانات کے ذریعے متعدد بار اعلان کیا ہے ملک کسی بھی دینی مدرسہ کے بارے میں شکایت پائی جائے کہ اس میں اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ دی جارہی ہے تو اس کی بھی نشان دہی کی جائے، اگر اس کا ثبوت فراہم ہوگیا تو اس مدرسے کے خلاف کاروائی میں خود وفاق بھی حکومت کے ساتھ شریک ہوگا، مگر اس کے باوجود دینی مدارس کو مسلسل ہدف تنقید بنایا جارہا ہے اور ان کی کردارکشی کی جارہی ہے۔

• **امتیازی رویہّ کو ترک کریں**

اگر دہشت گردی کے کسی واقعے میں کوئی فرد ملوث ہے تو اسے صرف فرد کا فعل ہی رہنے دیا جائے، اسے کسی ادارے کے ساتھ منسلک نہ کیا جائے، کیا کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھے ہوئے طلباء نے ڈاکے نہیں مارے؟ قتل نہیں کیے؟ کیا کبھی یہ کہا گیا کہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں ڈاکے کی تعلیم دی جاتی ہے، وہ اس میں ملوث ہیں کسی فرد کے فعل کو اداروں پر نہیں ڈالا جاسکتا، اس امتیازی رویے کو ترک کرنا ہوگا جس کے تحت مدارس کے کسی طالب علم کے فعل کو اداروں کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے اور کسی کالج یونیورسٹی کے طالب علم کے فعل کو فرد واحد کا ہی فعل قرار دیا جاتا ہے، یہ ناانصافی ہے۔ دہشت گردی کو کسی ملک کے ساتھ کسی قوم کے ساتھ کسی ادارے ساتھ نہیں جوڑنا چاہیے۔

پھر ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ اگر کسی مدرسے کے خلاف یہ بات ثابت ہوئی ہے تو اس کا نام اور اس کی شناخت کیوں منظر عام پر نہیں لائی جاتی اور بعض مدرسوں کا لفظ استعمال کرکے تمام دینی مدارس کو آخر کیوں مشکوک اور مطعون قرار دیا جاتا ہے۔

• **عالمی سازش**

صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب عالمی سازش کا حصہ ہے اور آج کل کا طریقہ واردات بھی یہی ہے

کہ پہلے میڈیا کے ذریعے ذرائع ابلاغ سے وسیع پروپیگنڈہ کر کے ایک ذہن بنایا جاتا ہے تاکہ آنے والے حالات میں جو اقدامات کسی کے خلاف کرنا ہیں تو اس اقدام کا جواز آپ پہلے سے مہیا کریں اور ذہن سازی کرلیں تاکہ اس سے کوئی اختلاف نہ کرے کوئی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائے تو منفی پروپیگنڈہ جو دینی مدارس کے خلاف ہے یہ اصل میں اسی سازش کا حصہ ہے کہ ان کے چہرے کو داغ دار کیا جائے حالانکہ دہشت گردی سے فرقہ واریت سے فرقہ وارانہ فسادات سے ان کا دور سے بھی تعلق نہیں ہے جتنے لوگ اس میں ملوث ہیں یا پکڑے گئے ہیں اور حکومت کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے یہ کیا ہے تو ان کا دینی مدارس سے کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ یہ دہشت گردی دینی مدارس پر مسلط کی گئی ہے، دینی مدارس کے لوگوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے اس کے باوجود دینی مدارس کو مجرم بنایا جارہا ہے تاکہ ان کے خلاف ایک ذہن تیار ہو اور پھر دینی مدارس کے خلاف کوئی اقدام کیا جائے۔

عالمی طاقتیں بھی ایسا ہی کررہی ہیں کہ جس ملک کے خلاف بھی کوئی کاروائی کرنی ہو اس کے خلاف پہلے عالمی میڈیا کے ذریعے جھوٹا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے پھر اس کے خلاف کوئی اقدام کیا جاتا ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سازش کا ایک حصہ ہے۔

مئی میں کنونشن سینٹر میں پانچ ہزار افراد اور ISI کے سابق سربراہ کی موجودگی میں سابق وزیر اعظم جناب چوہدری شجاعت حسین نے کہا کہ.....!

جب میں وزیر داخلہ تھا میں نے 20 ہزار مدارس کا سروے کروایا، خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے مکمل معلومات حاصل کیں مگر ان 20 ہزار میں سے کسی بھی مدرسہ سے نہ تو کوئی ایک پسٹل برآمد ہوئی اور نہ ہی کوئی ایسی رپورٹ ملی کہ کوئی مدرسہ کسی قسم کی تخریب کاری یا دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہو، پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مدارس کے خلاف چلائی جانے والی مہم محض تعصب کی بنیاد پر ہے، مدارس انتہائی پرامن طریقے سے اور مثبت انداز میں اپنا کام کررہے ہیں، یہ مدارس دنیا کی سب سے بڑی این جی اوز ہیں، مدارس کے نظام کو قریب

سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک سابق وزیر داخلہ، سابق وزیر اعظم اور ISI کا سابق سربراہ ہزاروں کے مجمع کے سامنے وضاحت سے کہتے ہیں کہ پاکستان میں پوری کوشش کے باوجود بھی کسی مدرسہ سے ایک پسٹل تک برآمد نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی مدرسہ کسی منفی سرگرمی میں ملوث پایا گیا ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے؟

مغرب اگر مدارس کے خلاف بات کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا سمجھ میں آتا ہے بے دین اور شیطانی قوتوں کے عزائم کو ناکام بنایا جاتا رہے گا، مغرب کو معلوم ہے کہ مدرسہ وہ جگہ ہے جہاں نہ بکنے والے اور نہ جھکنے والے افراد تیار ہوتے ہیں، مگر حیرت اس وقت ہوتی ہے جب اپنے بغیر کسی دلیل وثبوت کے مدرسہ اور علماء کے خلاف بلا وجہ کمر بستہ ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات مغرب وہ کچھ نہیں کہتا جو اپنوں کی زبانی سننے کو ملتا ہے۔

❑ قیامِ پاکستان کی مخالفت کرنے کا الزام لگانا

اعتراض: جب پاکستان بن رہا تھا تو تمام علماء نے ابتدا سے انتہاء تک اس کی مخالفت کی، اور جب پاکستان بن گیا تو یہ لوگ آکر ہمارے سروں پر سوار ہوگئے؟

جواب: اگر آپ تاریخ کا مطالعہ غور سے کریں تو علماء کی وہ قربانیاں ضرور سامنے آتی ہیں جو انہوں نے انگریز کو برصغیر سے نکالنے پر دیں اور جس کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

تحریک آزادی میں علمائے کرام کا ناقابل فراموش کردار

- 1600ء کے بعد انگریز برصغیر میں داخل ہوا اور یہاں تک کہ آزادی پر ڈاکہ ڈالا گیا۔
- 1803ء میں شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا۔
- تحریک کی کمان سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ نے بے شمار علاقوں کو شکست دی۔
- 1831ء میں سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ بالاکوٹ کے مقام پر بے شمار رفقاء کے ہمراہ شہید ہوگئے۔

• 1857ء کی جنگ آزادی کا اہم ترین معرکہ "شاملی" میدان میں لگا، جہاں انگریز کو سخت جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا، اس معرکہ کے سپہ سالار حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تھے، اور ان کے خاص کمانڈروں میں حفظ محمد ضامنؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے جلیل القدر علماء تھے۔ اس معرکہ میں بے شمار علماء اور طلباء شہید ہوئے اور مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

• مولانا فضل حق خیرآبادیؒ ودیگر علماء کو فتوی جہاد کے جرم میں کالے پانی (جزائر انڈومان) کی سزا دی گئی۔

مفتی کفایت علی کافی بدایونیؒ کو جنگ آزادی کی پاداش میں تختہ دار پر لٹکایا گیا۔

• 1857ء کی شکست کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور دیگر اکابرین نے اسلامی روایات کے تحفظ اور ملک کی آزادی کی خاطر 1866ء میں قصبہ دیوبند میں ''دارالعلوم'نامی علمی درس گاہ کی بنیاد ڈالی، جو آگے چل کر آزادی کی تحریکوں کا مرکز وسرچشمہ ثابت ہوئی۔

• دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم محمود الحسنؒ (شیخ الہندؒ) نے آزادی کے لئے ''تحریک ریشمی رومال شروع کی۔

• 1917ء میں شریف مکہ کی غداری کی وجہ سے حجاز مقدس سے شیخ الہندؒ کو گرفتار کرکے مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیر گلؒ، مولانا حکیم نصرت حسینؒ مولانا وحید احمدؒ کے ہمراہ بحیرہ روم میں واقع جزیرہ مالٹا کی جیل میں جلاوطن کیا۔

• 1919ء میں مولانا محمد علی جوہریؒ نے انگریزوں کے خلاف تحریک خلافت شروع کی مولانا شوکت علیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے عظیم قائدین بھی ساتھ تھے۔

• یہ علماء ہی تھے جنہوں نے دن رات ایک کرکے لوگوں کو پاکستان کے لئے قائل کیا۔

یہ سعادت بھی اللہ پاک نے علماء ہی کے حصہ میں لکھی تھی۔

قیامِ پاکستان میں علماء کا کردار

• **حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ**

آپ ہندستان کے عظیم بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ تھے۔آپ نے سب سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کا تصور پیش کیا،آپ نے قائداعظم اور مسلم لیگ کے سیاسی مؤقف کی مکمل حمایت کی اور اپنے ہزاروں متعلقین کو قیام پاکستان کی جدجہد میں مصروف کیا۔

• **حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ**

آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔آپ نے قیام پاکستان مشن کے لئے ہندستان کے بے شمار علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا،علماء کی اس تائید نے مسلم لیگ میں انقلابی روح پھونک دی اور قیام پاکستان کے تصور نے عملی شکل کا روپ اختیار کیا،اور سب سے بڑی بات علّامہ شبیر احمد عثمانیؒ علماء ہی تھے جنہوں نے اس مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پرچم پہلی بار بلند کیا!۔

• **حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ** (آپ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے بھانجے اور مفتی خانقاہ تھانہ بھون اور منصف تھے)

آپ نے ہندستان طول وعرض کا دورہ کرکے پاکستان کے لئے رائے عامہ کو ہموار کیا۔سلہٹ (مشرقی بنگلہ دیش) ریفرینڈم کی کامیابی کا سہرہ آپ ہی کے سر سجتا ہے۔

• **حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ**

آپ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے۔آپ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے دست راست بن کر تحریک پاکستان میں انقلابی کردار ادا کرتے رہے۔سرحد ریفرینڈم کی کامیابی میں آپ کے دوروں اور انتھک محنتوں کا نمایاں حصہ ہے،انہیں خود قائدِ اعظم نے سرحد کے لوگوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کے لئے قائل کرنے کو کہا تھا۔

• **حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری صاحب رحمہ اللہ**

آپ مولانا اشرف علی تھانوی کے خاص الخاص خلیفہ تھے۔آپ نے امرتسر اور قرب جوار

کے علاقوں میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیاب کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔آپ کے خلفاء اور متعلقین تحریک پاکستان کا حصہ بنے رہے۔

• **حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ**

آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر تھے۔آپ نے اپنے دروس و تصانیف کے ذریعے "متحدہ قومیت" کے نظریے کی سختی کے ساتھ تردید کی اور پاکستان کی حامی اور دوقومی نظریے کی علمبردار ایک بڑی جماعت کو تیار کیا۔

• **حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمہ اللہ**

آپ بھی دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر تھے۔تحریر وتقریر کے ذریعے پاکستان کے قیام کے لئے پوری طرح کوشاں رہے۔

❑ علماء/آئمہ کرام کی کردار کشی

مسجد کا امام ہونا بھی عجیب منصب ہے۔کوئی بھی شخص امام پر اعتراض کرسکتا ہے اور کوئی بھی ڈانٹ ڈپٹ کا حق رکھتا ہے۔امام کیسا بھی عالی مرتبہ اور عظیم کردار کا مالک کیوں نہ ہو ،مقتدیوں کی جلی کٹی باتوں سے محفوظ نہین رہ سکتا۔حجرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھیے۔جلیل القدر صحابی ہیں ، پہلے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہین اور عشرہ مبشرہ مین سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہیں اپنا ماموں فرمارہے ہین،ان کے حق میں قرآن کی آیتیں نازل ہو رہی ہیں ،واحس ایسے صحابی ہیں جن کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والد اور والدہ کو جمع کرتے ہوئے فرمایا: بجھ پہ میرے ماں اور باپ قربان۔جن کے دل میں کسی مسلمان کے لئے بغض وحسد نہ تھا،مستجاب الدعوات تھے،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تمام تر غزوات میں شریک ہوتے ہیں،راہ خدا کے پہلے تیرانداز ہین،خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو سالار لشکر مقرر فرما کر خرار کی جانب روانہ فرماتے ہیں۔آپ کے ہاتھ پر بہت سی فتوحات ہوئیں۔ لیکن جب امارت کوفہ کے دوران مصلائے امامت پر کھڑے ہوتے ہیں تو کوفہ والوں کے

اعتراضات کا محور بن جاتے ہیں، کوفہ والے حضرت عمر فاروقؓ کو شکایت بھجواتے ہیں اور ان میں ایک شکایت یہ بھی ہوتی ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے وہ شخص جس نے نماز اللہ کے نبی ﷺ سے دیکھی اس شخص کی نماز پر دیہاتیوں کا اعتراض۔ بالکل آج کل جیسے حالات کا منظر پیش کر رہا ہے۔ آج کے ائمہ نے نماز اگرچہ براہ راست نبی سے نہیں سیکھی مگر نبی ﷺ کے اقوال سے سیکھی ہے۔ جن لوگوں کو دینیات کی بالکل خبر نہیں ہوتی ان کی نظر بھی امام کے پائنچوں اور سجدے میں اٹھتی انگلیوں پر رہتی ہے۔ جو لوگ دو چار مسائل کسی کتاب میں پڑھ لیتے ہیں۔ خاص طور پر دین کے نام نہاد ٹھیکیدار حضرات لیکن ان مسائل کی تفاصیل اور اسلاف، اکابر علناء کی آراء سے یکسر غافل اور کورے ہوتے ہیں، ان کی زبانیں بھی اہل علم پر ائمہ کرام پر تبصرہ کرتے نہیں تھکتیں۔ بہر حال جب حضرت سعد بن ابی وقاص کی شکایت حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتی ہے تو عمر فاروقؓ تحقیق احوال کیلئے کوفہ والوں کی طرف محمد بن مسلمہ اور عبداللہ بن ارقم کو بھیجتے ہیں جو ایک ایک مسجد میں جا کر پوچھا لیکن کسی کی طرف سے کوئی اعتراض موصول نہیں ہوا۔ البتہ جب پوچھتے پوچھتے سلسلہ بنو عبس کی مسجد تک پہنچا تو صرف ایک شخص اسامہ بن قتادہ نامی اٹھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص کی شکایت کرتا ہے کہ آپ کی نماز ٹھیک نہیں، یہ جہاد کے سلسلہ میں کوتاہی کرتے ہیں، فیصلے میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیتے۔ اعتراض کچھ بھی تھا لیکن یہاں انتہائی قابل توجہ بات یہ ہے کہ شکایت کوفہ سے مدینہ بھیجی گئی لیکن کوفہ کی کسی مسجد میں ایک شخص کے علاوہ کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ملتا۔ یہ حقیقت تاریخ کا حصہ اور لائق اعتماد کتب میں موجود ہے کہ جانچ پڑتال کے دوران صرف ایک ہی ایسا آدمی ملا جسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر اعتراض تھا ،لیکن شکایت مدینہ بھجوائی گئیں اور یہ تاثر دیا گیا کہ حضرت سعد کو معزول نہ کیا گیا تو فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے۔ اور پھر عمر فاروقؓ نے حجرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر بھی دیا۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ بعض اوقات صرف ایک دو افراد یا مقتدیوں

کو امام سے شکایت ہوتی ہے، لیکن ان کا پروپیگنڈاہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں کہ یہ شخص اس منصب کے لائق نہیں، اگر اس کو اس منصب پر باقی رکھا جائے تو فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے۔ اور یوں پروپیگنڈہ جیت جاتا ہے اور امام ہار جاتا ہے۔ میں اس مقام پر پروپیگنڈہ کرنے والوں کو دل کے کانوں سے متوجہ ہونے کی دعوت دوں گا۔ اس میں شک نہیں کہ مجھ جیسے ائمہ مساجد لائق تعریف نہیں، لیکن میرے بھائیوں کبھی آپ کی مسجد کا امام بے قصور بھی ہوتا ہے اور آپ کے اعتراضات بے جا بھی ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں اپنی انا کی تسکین کے بجائے اللہ کی پکڑ سے ڈریے۔ اور ذہن میں رکھیے کہ: جب حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے معترض کی ناحق باتیں سنی تھیں تو اپنے ہاتھ اللہ جل جلالہ کے دربار میں اٹھا کر یہ دعا کی: **اللھم ان کان عبدک ھذا کاذبا، قام ریاء وسمعتہ واطل عمرہ، واطل فقرہ، وعرضہ بالفتن** اے اللہ اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور نام ونمود کی خواہش میں اٹھا ہے تو اس کی عمر کو لمبا کر، اس کی محتاجی میں اضافہ کر اور اسے فتنوں میں مبتلا کر۔۔۔ وقت گزر گیا۔۔۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ معزول بھی ہوگئے۔۔ پروپیگنڈہ جیت گیا لیکن سعد بن ابی وقاص کی دعا اللہ جل جلالہ کے ہاں محفوظ رہی اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ شخص انتہائی بڑھاپے کو پہنچا، اس کی بھنویں آنکھوں پر گر چکی تھیں، راستے میں کھڑے ہوکر بھیک مانگتا اور جب کوئی عورت سامنے سے گزرتی تو اس کے ساتھ چھیڑ خانی کرتا۔ لوگ کہتے: اے بوڑھے تمہیں عورتوں کو چھیڑتے ہوئے حیا نہیں آتی ؟ جواب میں کہتا: میں کیا کروں؟ مجھ بوڑھے کو سعد بن ابی وقاص کی بددعا لگ گئی ہے۔ آج کے دور کا کوئی امام حضرت سعد بن ابی وقاص جیسا تو نہیں، لیکن کسی بھی مسلمان پر ناحق اعتراجات کرتے وقت اللہ کی پکڑ کو بھول جانا انتہائی بدنصیبی کی علامت ہے۔ ہم اپنے پروپیگنڈہ میں جیت سکتے ہیں لیکن اللہ جل جلالہ کے ہاں فیصلے حقائق کی بنیاد پر ہوتے ہیں، ان فیصلوں سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کریم ہمیں مسجدوں کے نظام میں بہتری

لانے کی توفیق بخشے، مسجد کے امام، خطیب اور انتظامیہ میں سے ہر ایک کو اپنی ذمہ داری سمجھنے اور اسے حتی المقدور نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

❑ معاشرے پر بوجھ ہیں

اعتراض: ایک طبقہ علماء پر یہ الزام لگاتا ہے کہ یہ مدارس دینیہ سے نکلنے والے افراد معاشرہ کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دیتے؟

جواب: مدارسِ دینیہ کے فضلاء مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں، خواہ وہ مدرسوں میں ہوں یا مساجد میں، آپ غور فرمائیں تو اسلامی علوم وفنون سے مسلم معاشرہ کے ربط وتعلق کو قائم رکھنے کا واحد ذریعہ یہی مدارس ہیں، مساجد کیلئے مناسب علمی صلاحیت کے خطباء اور ائمہ اور اسلامی تعلیمات کے لئے اساتذہ دینی مدارس سے پیدا ہوتے ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے فقہی جوابات کا ذریعہ انہیں مدارس کے دارالافتاء ہیں، اصلاح احوال کے لئے معاشرہ میں جتنی تحریکیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان کا منبع یہی دینی مدارس ہیں، پاکستان میں شرح خواندگی کا تناسب افسوسناک حد تک کم ہے، ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے یہ دینی مدارس شرح خواندگی کی اس کمی کو کافی حد تک کنٹرول کرنے میں معاون ہیں۔(194)

❑ لیتے ہیں دیتے نہیں

اعتراض: کبھی کہا جاتا ہے کہ اس ملک کی معیشت میں مدرسے کا کوئی کردار نہیں یہ مدرسہ والے تو ایک جوتا تک تو بنا نہیں سکے اتنے جوتے کھانے کے بعد اب تو سمجھ آجانی چاہئے ناں! کہ پاکستان کو بنے 70 سال سے زائد ہو چکے ہیں لیکن ترقی کے بجائے زوال ہی زوال ہے۔

جواب: مانا کہ مدرسہ اور اہل مدرسہ نے اس ملک کی معیشت اور صنعت وتجارت میں کوئی کردار ادا نہیں کیا لیکن اکابرین پاکستان کو بھی ایک نظر ڈالنی چاہئے کہ پاکستان بننے کے بعد

اتنے سالوں میں کتنے گورنر اور جنرل آئے، کتنے صدارت کی کرسی پر براجمان ہوئے، اور نائب صدر بھی آئے وزارت عظمی کی مسند پر وزیر اعظم اور نگران وزیر اعظم، اور نائب وزیر اعظم بھی فائز ہوئے۔ ان افراد کو آپ پاکستان کی کریم کہہ سکتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک کسی مدرسہ کا فارغ التحصیل نہیں، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ یہ ملک ترقی نہیں کر سکا؟ کیوں ہم روز بروز زوال کی طرف جا رہے ہیں؟ اس ملک کے دو ٹکڑے کرنے میں بھی کون ملوث تھا؟ بتانے کی ضرورت نہیں۔

آج دنیا بھر میں پاکستان کرپشن، لوٹ مار اور لا قانونیت کا استعارہ بن چکا ہے کیا! اسکا الزام بھی مدارس اور علماء کو دیا جائے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ ملک کو یہاں تک پہنچانے میں انہی لوگوں کا ہاتھ رہا جو مغرب کی یونیورسٹیوں سے نکلے، جو ان کے رنگوں میں رنگے ہوئے تھے۔ اگر مدارس اور علماء نے ملک کی معیشت یا صنعت وتجارت میں کوئی حصہ نہیں ڈالا تو کم از کم اس کی بربادی میں بھی شریک نہیں رہے۔)

اعتراض: ایک طبقہ علماء پر یہ الزام بھی لگاتا ہے کہ یہ عوام کے چندوں اور ٹکڑوں پر پلنے والے محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ کیوں نہیں پالتے؟

جواب: آپ کو شکایت ہے کہ یہ محراب ومنبر کے وارث مزدوری کیوں نہیں کرتے؟

ان کی بڑی تعداد محنت مزدوری یا نوکری اور تجارت سے اپنا پیٹ کیوں نہیں پالتی؟

ان میں سے اکثر چندے اور قربانی کی کھالیں جمع کرنے کے بجائے جنگل سے کاٹ کر یا وزن اٹھا کر اپنی روزی کیوں نہیں کماتے؟

یہ شکایت نئی نہیں، بہت پرانی ہے، اور جب مسجد اور مدرسہ نے ایک ریاستی ادارے کی حیثیت سے محروم ہو کر پرائیوٹ ادارے کی حیثیت اختیار کی ہے اور اسے اپنا وجود برقرار رکھنے اور نظام چلانے کے لئے صدقہ وزکوۃ، قربانی کی کھالوں اور عوامی چندے کا سہارا لینا پڑا ہے، تب سے یہ شکوہ زبانوں پر ہے اور مختلف طریقوں سے وقتاً فوقتاً اس کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔

مغل حکومت کے دور میں مسجد و مدرسہ کو ریاستی ادارے کی حیثیت حاصل تھی، ان کے اخراجات کی ذمہ داری ریاست پر تھی ،درسِ نظامی ملک کا سرکاری نصابِ تعلیم تھا، اور عدالتوں میں اسلامی احکام وقوانین کی عمل داری تھی، جب اس سارے سسٹم کو 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد انگریزی سرکار نے لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا، اور مساجد و مدارس کی بندش کے ساتھ ساتھ ان کے لئے مخصوص اوقاف ومسائل بھی ضبط کر لئے، تو باقی سارے معاملات سے قطع نظر کم سے کم عام مسلمانوں کی عبادات کا نظام برقرار رکھنے اور ان کے لئے دینی تعلیم کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے عوامی چندے اور زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ سے مسجد و مدارس کے نظام کو چلانے کا رجحان پیدا ہوا، اور کچھ اصحابِ بصیرت نے غریب عوام کے سامنے جھولی پھیلا دی کہ زکوٰۃ وصدقہ اکھٹا کر کے، قربانی کی کھالیں جمع کر کے بلکہ ایک ایک گھر سے روٹی مانگ کر مسجد و مدرسہ کے نظام کو تباہ ہونے سے بچالیا، ورنہ تاشقند اور سمرقند میں ایسی مساجد ہیں جو گزشتہ نصف بلکہ پون صدی کے عرصہ میں سیمنٹ کے گودام اور سینما ہال کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ اگر ہمارے ہاں منبر ومحراب کے وارث کھالوں اور چندوں کے پیچھے نہ پڑتے تو یہاں بھی صورتحال تاشقند اور سمرقند سے مختلف نہ ہوتی۔ مسجد و مدرسہ مولوی اور چندہ اس نظام پر دو قسم کے حضرات کو اعتراض ہے، اور ان کی شکایت کے پس منظر کو الگ الگ طور پر سمجھنا ضروری ہے، کچھ حضرات کو تو اس بات پر غصہ ہے، اور وہ اپنے غیض وغضب کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو رہے کہ یہ نظام تک بدستور قائم کیوں ہے؟ اور نہ صرف قائم ہے ، بلکہ مغرب اور اسلام کے درمیان گلوبلائزیشن وار میں ایک ناقابل تسخیر مورچہ کی حیثیت کیوں اختیار کی ہوئی ہے؟ اور چونکہ اس نظام کے باقی رہنے بلکہ دن بدن ترقی کرنے میں ظاہری سبب یہ ہے کہ صدقہ وزکوۃ، قربانی کی کھالیں اور چندہ ہے، اس لئے انہیں یہ سارا کچھ برا لگتا ہے، لیکن کچھ حضرات خیر خواہی اور خلوص کے جذبات کے ساتھ بھی اس خواہش کا اظہار کر دیتے ہیں کہ علماء کرام کو صدقہ کے بجائے کوئی یہ ہنر اپنا کر اپنی معیشت کا انتظام کرنا چاہئے۔ ایسے دوستوں کے پیش

نظر انتہائی خلوص کے ساتھ یہ بات ہوتی ہے کہ منبر ومحراب کے وارثوں کا معاشرتی مقام بلند ہونا چاہئے، اور انہیں لوگوں کا دست نگر ہونے کے بجائے خود کفیل ہوکر اپنی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا چاہئے تاکہ ان کی بات میں زیادہ وزن ہو، اور وہ زیادہ اعتماد کے ساتھ معاشرہ کی دینی قیادت کرسکیں، مگر منبر ومحراب کے وارثوں کیلئے اس خواہش کو پورا کرنا آسان حافظ اور قاری کے ذاتی اور معاشرتی وقار کا مسئلہ ہے، اور دوسری طرف اور دوسری طرف مسجد و مدرسہ کے نظام کو باقی رکھنے کے تقاضے ہیں اور مولوی پوری ہوش مندی کے ساتھ آج بھی اپنے ذاتی مفاد پر مسجد ومدرسہ کے نظام کو ترجیح دے رہا ہے، ہم ان کالموں میں عرض کر چکے ہیں کہ ایک دور میں ریاست حیدرآباد دکن کے نواب نے جو اپنے دور کے امیر ترین حکمران سمجھے جاتے تھے، دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کو پیش کش کی کہ اگر دارالعلوم کے فضلاء کو اپنی ریاست میں ملازمتیں فراہم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تو اس کے جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے یہ تاریخی جملہ کہہ کر اس پیش کش کو مسترد کردیا کہ ہم ریاست حیدرآباد کا نظام چلانے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ مسلمانوں کی نماز، روزہ اور دینی تعلیم کا نظام باقی رکھنے کے لئے پڑھا رہے ہیں، ان کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم بھی اپنے مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کو جدید تعلیم کا ٹچ دیکر ریاستی نظام کے کل پرزے بنادیں تو پھر مسجدوں میں نماز کون پڑھائے گا، اور لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم کون دے گا اس لئے اس دور کے اکابر علماء نے شعوری طور پر حکمت عملی کے تحت اپنے طلبہ کو جدید علوم اور ہنر وفن سے دور رکھا تاکہ وہ مسجد کے علاوہ کہیں فٹ نہ ہوسکیں اور عام مسلمانوں کی عبادت اور دینی تعلیم کا نظام چلتا رہے، اس لئے یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام کیلئے رجال کار فراہم کرنے کے نقطہ نظر سے دینی مدارس کو اپنے نصاب ونظام میں ضروری تبدیلیاں کرنا چاہئے، اور ہم خود اس پر مسلسل معروضات پیش کررہے ہیں۔ مگر جہاں تک مسجد ومدرسہ کے موجودہ نظام کی افادیت اور اسکے معاشرتی ثمرات کا تعلق ہے، اس کا دارومدار ظاہری طور پر اس صدقہ وخیرات اور قربانی کی کھالوں پر ہے، اس سسٹم کو طنز وطعن کا نشانہ بنا کر اس کی نفی

کرنا عام مسلمانوں کی عبادت اور دینی تعلیم کے نظام کو سبوتاژ کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کے سوا اور کسی عنوان کا نہیں ہوسکتا۔

اور ساتھ میں ایک واقعہ کا حوالہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سوال کرنے والے شخص کو کلہاڑی دے کر جنگل سے لکڑیاں کاٹنے محنت کرکے پیٹ پالنے کی ترغیب دی تھی، یہ واقعہ درست ہے، اور کسی بھی تندرست شخص کیلئے حکم ہے، تاکہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے محنت مزدوری کرکے روٹی کمائے، لیکن ایک عمومی رویہ اور الجھن کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کچھ لوگ دور نبوی کے انفرادی واقعات کا سہارا لیکر ان کے حوالہ سے اپنے جذبات وافکار پیش کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں، مگر اس دور کے سسٹم اور نظام کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ جس مسئلہ پر ہم بات کررہے ہیں، اس کی حیثیت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے رائج کردہ مجموعی نظام میں کیا تھی؟ اس لئے اس سلسلے میں دو حوالے سامنے لانا مناسب خیال کرتا ہوں۔

ایک خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہے کہ ان کا اپنا ذریعہ معاش کیا تھا؟ تو یہ گزارش ہے کہ ضابطہ اور قانون کے طور پر جنگوں میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کا 1/5 حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکے خاندان کے اخراجات کیلئے مخصوص ہوتا تھا، یعنی کسی بھی جنگ میں حاصل ہونے والے کل مال غنیمت کا 20 فیصد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے متعین رہتا تھا، جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل خانہ کے اخراجات پورے ہوتے تھے، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا حتی کہ اسی مال غنیمت میں سے ایک بہت بڑے باغ فدک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت سمجھتے ہوئے حضرت فاطمہؓ نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر سے اسے وراثت کے طور پر نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یہ بیت المال کی ملک میں رہے گا۔ البتہ اس کی آمدنی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اور دیگر اہل خانہ کے اخراجات بدستور ادا کئے جاتے رہیں گے۔

دوسرا حوالہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر

خلیفہ بنے تو ان کا معاملہ یہ تھا کہ مدینہ منورہ سے تھوڑے فاصلہ پر سنح نامی جگہ میں انکی کپڑے کی کھڈیاں تھیں اور وہ کپڑا بیچ کر گزارا کیا کرتے تھے خلیفہ بننے کے بعد وہ حسب معمول کپڑوں کی گٹھڑی اٹھا کر بازار کی طرف چلے تو حضرت عمرؓ نے انہیں روک لیا کہ آپ کاروبار میں مصروف رہیں گے تو لوگوں کے معاملات کون نمٹائیگا؟ اس لئے آج کے بعد آپ کاروبار نہیں کریں گے، اور کاروبار سلطنت کیلئے خود کو فارغ رکھیں گے، اس کے بعد حضرت عمر کی تجویز پر خلافت راشدہ کی مجلس شوری کا پہلا اجلاس ہوا جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے بیتا المال سے وظیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اسی سے فقہاء کرام نے یہ اصول اخذ کیا کہ جو شخص بھی امت کے اجتماعی کاموں کیلئے وقف ہوجائے، اس کے اخراجات اور ضروریات زندگی کی کفالت بھی اجتماعی آمدنی سے ہوگی چنانچہ اسی اصول کے تحت حاکم، قاضی، مجاہد، معلم اور امام وغیرہ حضرات کی تنخواہ اجتماعی آمدنی سے ادا کی جاتی ہے، اور یہ صرف ہمارے ہاں نہیں بلکہ دنیا کے ہر نظام میں یہی اصول ہے، اور اجتماعی کاموں کیلئے وقت دینے والے حضرات کے اخراجات اجتماعی آمدنی میں سے ہی ادا کئے جاتے ہیں، آپ ایک ڈپٹی کمشنر کو دیکھ لیجئے، اس کی تنخواہ عام لوگوں سے جمع کی گئی رقم سے ہی دی جاتی ہے، اور ایک مدرسہ کے مہتمم کی تنخواہ بھی عام لوگوں سے جمع کی گئی رقم سے ہی دی جاتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ڈپٹی کمشنر کیلئے جمع کی جانے والی رقم ٹیکس کہلاتی ہے، اور ریاستی ادارے لاء اینڈ آرڈر کی قوت سے جمع کرتے ہیں اور مہتمم مدرسہ کی تنخواہ کیلئے جمع ہونے والی رقم کو چندہ کہا جاتا ہے جو لوگ رضا کارانہ طور پر پیش کر دیتے ہیں، بات کچھ لمبی ہوتی جارہی ہے، لیکن اس حوالے سے ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مولوی صاحبان صرف پانچ وقت کی نمازیں پڑھا کر سارا دن فارغ بیٹھے رہتے ہیں، اور لوگوں کے چندوں پر عیش کرتے ہیں اس لئے اس فراغت اور عیش کی جھلک بھی سامنے آجائے تو مناسب ہوگا، اور اس کے لئے میں ایک مثال پیش کرنا

چاہوں گا، گوجرانوالہ میں کی ایک مرکزی جامع مسجد میں سرگودھا سے تعلق رکھنے والے قاری محمد ریاض صاحب ہیں، جن کی ذمہ داری یہ ہے کہ انہوں نے پانچ وقت نمازوں کی امامت کیلئے موجود رہنا ہے، اور اس کے علاوہ ان کی روزمرہ ذمہ داری کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ صبح اذان فجر سے پہلے اٹھ کر وہ قرآن کریم پڑھنے والے بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ جو اذان فجر سے لیکر قاری صاحب کی نگرانی میں 11 بجے دن تک پڑھتے ہیں، پھر ظہر سے عصر تک پڑھاتے ہیں، اور اس کے بعد مغرب سے عشاء تک پھر سبق یاد کرنے والے بچوں کی نگرانی کیلئے انہیں بیٹھنا ہوتا ہے، اس فراغت کے عوض میں انہیں جو عیش فراہم کی جاتی ہے، اس پر بھی ایک نظر ڈالیں انہیں اسلام آباد کے چوتھے درجے کے ملازمین کے معیار کا ایک کوارٹر مسجد کی طرف سے دیا گیا ہے، جس میں وہ اپنے بیوی بچوں سمیت رہتے ہیں، پانی، بجلی ،گیس کا بل انکے ذمہ نہیں ہے، اور انہیں مبلغ تین ہزار روپے ماہانہ تنخواہ ملتی رہی ہے۔ اگر آپ ناراض نہ ہوجائیں تو ڈرتے ڈرتے ایک بات کہنے کو بھی جی چاہتا ہے کہ نیکی اور عبادت صرف نماز پڑھانا اور بچوں کو دینی تعلیم دینا ہی تو نہیں ہے عدالت میں بیٹھ کر لوگوں کو انصاف مہیا کرنا بھی نیکی ہے، اور اسے عبادت کا درجہ حاصل ہے، اور جس طرح قرآن پڑھانے کا کوئی معاوضہ نہیں ہوسکتا، عدالت کے منصب پر بیٹھ کر لوگوں کو انصاف مہیا کرنے والے مزدوری کر کے یا نوکری اور تجارت کر کے اپنا پیٹ لکڑیاں کاٹ کر یا وزن اٹھا کر اپنی روزی کیوں نہیں کماتے؟

باب:4

بدسلوکی/ امتیازی سلوک

❑ تنقید کا نشانہ بنانا

مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے یوں تبصرہ فرمایا ہیں:

ملک کے دینی مدارس آج کل چاروں طرف سے نہ صرف تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں بلکہ ان کے خلاف یکطرفہ اعلانات اور کاروائیوں میں روز بروز شدت آرہی ہے۔ کسی بھی ادارے پر تنقید کوئی بری بات نہیں۔

اگر اس ادارے کو اچھی طرح دیکھ بھال کر اور اس کے نظام اور اغراض و مقاصد کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اس پر تنقید کی جائے تو ایسی تنقید خیر مقدم کی مستحق ہوتی ہے۔ اگر کوئی تنقید دور دور سے محض بدگمانیوں کی بنیاد پر کی جائے تو نہ صرف یہ کہ اس سے اصلاح حال میں کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ بسا اوقات محاذ آرائی کی شر انگیز فضا پیدا کر دیتی ہے۔ اگر یہ تنقید ان سرکاری ذرائع کی طرف سے ہو جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے اور وہ اسے عملی کاروائیوں کی بنیاد بنانے لگیں تو ایسی تنقید ظلم وستم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دینی مدارس کی مظلومیت یہ ہے کہ آج کل وہ اسی دوسری قسم کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں جو ٹکسالی فقرے آج ہر نقاد کی زبان پر ہیں، ان میں اکثر وہ ہیں جو ان مدارس کے مشاہدے اور معروضی تجزیہ پر نہیں ہیں، ایک مسلّمہ حقیقت سمجھ کر دن رات ان کی تشہیر کی جارہی ہے۔

اس بات کی تصدیق بآسانی اس طرح کی جاسکتی ہے جو حضرات دینی مدارس کے بارے میں یہ چلتے ہوئے فقرے تکیہ کلام کی طرح بولتے رہتے ہیں ''ان مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔ دینی مدرسوں میں عصری مضامین بھی پڑھانے چاہئیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان مدرسوں سے سائنس دان پیدا نہیں ہوتے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا آپ نے کوئی مدرسہ خود جا کر دیکھا ہے؟ کیا آپ نے ان کا

نصاب اور نظام کا جائزہ لیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے وہ کیا کیا مضامین کن مرحلوں میں پڑھاتے ہیں؟ مجھے یقین ہے ان میں سے اکثریت کا جواب نفی ہوگا۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے یہ تنقید کتنی منصفانہ اور کتنی وزن دار ہے؟ پروپیگنڈے کے اس نقار خانے میں جہاں فضا ایسی بنادی گئی ہے کہ ان دینی مدارس کی حمایت میں کچھ بولنا اپنے سر پر دقیانوسیت ،رجعت پسندی، بلکہ دہشت گردی تک کا الزام لینے کے مترادف بن گیا ہے۔آج میں آپ کو انصاف کے نام پر دعوت دیتا ہوں برائے کرم ایک مرتبہ خود ان دینی مدارس کے نمائندوں کی بات بھی ٹھنڈے دل و دماغ سے سن لیجیے اور ان مدارس کی صحیح صورت حال ان کی زبانی معلوم کر کے اپنے ذاتی مشاہدے سے اس کی تصدیق کر لیجیے۔اس کے بعد بے شک آپ جو تنقید کریں یا جو اصلاحی تجاویز پیش کریں وہ خیر مقدم کی مستحق ہوں گی۔ پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے دینی مدارس کیا ہیں؟

❑ بیرونی مطالبات کی وجہ سے علماء، مدارس کے خلاف کاروائیاں کرنا

دینی مدارس کے حوالے سے ہمارے میڈیا میں جب بھی بات ہوتی ہے تنقیدی پہلو سے ہی ہوتی ہے۔اور کچھ عرصہ قبل تک تو یہ بات بھی صرف نصاب کی حد تک رہی ہے۔اب جا کر اس میں فنڈز کا معاملہ بھی شامل ہوا ہے۔ ہماری ریاست کا حال بھی عجیب ہی ہے۔جس کی جیب میں چار روپے دیکھ لے، اس سے یہ ضرور پوچھتی ہے کہ یہ کہاں سے آئے؟ مگر جس کے پیٹ میں پورے دن میں ایک بھی نوالہ نہ گیا ہو اس سے یہ نہیں کہتی کہ تم بھوکے کیوں ہو؟ آؤ تمہیں وسائل رزق مہیا کروں! جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری ریاست کا لینے والا ہاتھ تو متحرک ہے مگر دینے والے ہاتھ کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ مدارس کے فنڈز والا معاملہ اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہے کہ ستر سال تک تو اس ملک میں پروپیگنڈہ یہ ہوتا رہا کہ دینی مدرسے کا طالب علم زکوٰۃ کے ٹکڑوں پر آج تو گزر بسر کر رہا ہے لیکن اس کا مستقبل تاریک ہے، کیونکہ جب یہ عملی زندگی میں آئے گا تو اس کے پاس وہ ماڈرن علوم وفنون نہیں ہیں جن کے دم پر شیر مال اور قورمے تک رسائی ممکن ہے۔اب ستر سال بعد صورتحال اچانک

یوں تبدیل ہوئی ہے کہ پروپیگنڈہ کرتی زبان اپنے ستر سال موقف کے بالکل برعکس موقف پر کھڑی ہوگئی ہے۔ اب کہا جارہا ہے کہ مولوی کے پاس اتنا خطیر سرمایہ ہے جس کا حساب کتاب رکھنے میں ریاست کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ گویا صورت حال یہاں بھی وہی ہے کہ جب تک ریاست کو یہ لگتا رہا کہ دینی مدارس تو وہ مراکز ہیں جہاں زکوٰۃ پر گزر بسر ہی ہو پاتی ہے تو وہ مدارس یا ان کے طلبہ کی جانب دیکھنا بھی اپنی توہین سمجھتی رہی۔ مگر جوں ہی امریکی اداروں نے اسے یہ بتایا کہ مولوی کے پاس تو بڑا پیسہ ہے تو اب یہ مولی کا ہاتھ بٹانے کو بیتاب ہے۔ شہریوں یا اداروں کے ذرائع آمدن پر نظر رکھنا بہت اچھا ہی نہیں بلکہ بہت ضروری کام بھی ہے۔ اس ضمن میں جو پھرتی صرف مدارس کی حد تک آج دکھائی جارہی ہے وہ پاکستان بننے کے ساتھ ہی ہر شعبے میں دکھادی گئی ہوتی تو وہ بہت سی خرابیاں کسی صورت پیدا نہ ہوتیں جو ہوئیں۔ اس معاملے کا یہ پہلو نہایت اہم ہے کہ ریاست کو غرض صرف دوسروں کے نوٹوں کا حساب رکھنے میں ہی ہے۔ اس کے پاس دوسروں کے بٹوؤں پر نظر رکھنے کے لیے تو درجنوں ادارے ہیں لیکن ایسا کوئی ادارہ نہیں جو کسی بھوکے کو دو وقت کی روٹی دینے یا نوکری مہیا کرنے پر مامور ہو۔ اسے خیراتی اداروں کے فنڈز کے ساتھ ساتھ غریب کے پیٹ کی بھی فکر کرنی ہوگی ورنہ ایک نیا بحران یہ کھڑا ہوجائے گا کہ جو خیراتی ادارے اس ملک میں کام کررہے ہیں وہ سرکاری گرفت کے خوف سے خیراتی کام سے ہی ہاتھ کھینچ بیٹھیں گے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہمارے مدارس میں بیس لاکھ طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ ان طلبہ کی تعلیم، خوراک اور علاج کی ذمہ داریاں یہ ادارے ہی انجام دے رہے ہیں۔ سادہ سا سوال ہے کہ کیا ریاست پاکستان یہی سہولت عصری علوم کے شعبے میں اپنے اس خزانے کی مدد سے فراہم کرسکتی ہے جس کی پشت پر زرمبادلہ کے ذخائر کے اربوں ڈالر کھڑے ہیں؟ کیا ہماری ریاست اٹھارہ ہزارہ مدارس کے متوازی اٹھارہ ہزار ایسے سکول، کالجز کھڑی کرنے کی ہمت پیدا کرسکتی ہے جہاں مدارس کی طرح مفت رہائش، مفت کھانا، مفت علاج اور مفت کتب فراہم کرکے غریبوں کے بیس لاکھ بچوں کو عصری تعلیم کے زیور سے

آراست کیا جائے؟ آپ کا تو دعویٰ ہی یہ رہا ہے کہ مدارس میں غریب لوگ اپنے بچے اس لیے داخل کراتے ہیں کہ وہاں مفت کا کھانا مل جاتا ہے۔ ساتھ ہی آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ مدارس سے شدت پسندی جنم لے رہی ہے۔ اگر چہ مارے اور پکڑے گئے شدت پسندوں کے نوے فیصد تعداد کا مدرسے سے نہیں بلکہ کالج یا یونیورسٹیز سے تعلق نکلتا آیا ہے لیکن کچھ دیر کو آپ کا دعویٰ درست مان لیا جائے تو مدارس کی طرز کے اٹھارہ ہزار رہائشی سکولز، کالجز قائم کر کے غریب کے بچے کو روشن خیال متبادل کیوں فراہم نہیں کر دیا جاتا؟ اگر مولوی کے نوٹ گننے کا شوق پالنے کے بجائے غریب کے بچے کے لیے سرکار مفت بورڈنگ سکول وکالج منصوبہ متعارف کرادے تو مدرسے تو سارے کھڑے کھڑے خالی ہو جائیں گے، کیونکہ بقول آپ کے غریبوں کے بچے وہاں روٹی کے لیے جاتے ہیں۔ آپ کے خیراتی بوڈنگ سکول بنتے ہی سارے غریب زکوٰۃ کی روٹی اور دینی تعلیم کی بجائے سرکاری روٹی اور سائنسی تعلیم کی جانب دوڑ پڑیں گے۔ یوں نہ رہے گا مدرسہ اور نہ ہی گننے پڑیں گے آپ کو مولوی کے نوٹ۔ اس تجویز پر عمل کرنے کے لیے جس نوع کی عقل درکار ہے اس سے موجودہ حکومت ویسے بھی مالا مال ہی ہے تو اس کار خیر میں دیر کیسی؟ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ملک میں مالیاتی ڈسپلن کی خاطر سرگرم نہیں، اور نہ ہی اسے کسی منی لانڈرنگ کی روک تھام سے دلچسپی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو گزشتہ سترہ برس کے دوران اس ملک میں اربوں ڈالرز مختلف این جی اوز کی آڑ میں مغربی ایجنڈوں کے لیے تقسیم ہوئے ہیں اور یہ بہاؤ بدستور جاری ہے۔ ڈالرز کا یہ بہاؤ کسی مدرسے کی جانب نہیں بلکہ یونیورسٹیز اور ان کے ڈینز کی تجوریوں کی طرف ہے۔ خالص غیر ملکی ایجنڈے کے لیے آنے والے ڈالرز سمیٹنے والوں کو تو آپ آئینی اداروں کا چیئرمین بنا رہے ہیں یا یونیورسٹیز میں ہی مزید اہم پوزیشنز سے نواز رہے ہیں اور پروپیگنڈہ یہ فرماتے ہیں کہ غیر ملکی فنڈنگ اور منی لانڈرنگ کا راستہ روکا جا رہا ہے؟ کیا تعلیم اور میڈیا دونوں ہی شعبوں میں گزشتہ سترہ برس کے دوران بے حساب بیرونی فنڈنگ نہیں ہوئی؟ اس فنڈنگ کے تو آپ سہولت کار بنے نظر آتے ہیں۔ کیا ریال حرام اور ڈالر حلال

ہوگیا ہے؟ کون انکار کرسکتا ہے کہ کسی منظم اور ہمہ جہت مالیاتی ڈسپلن کا نہ ہونا ہمارا وہ سنگین مسئلہ ہے جس کے مضر اثرات ہر شعبہ زندگی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ٹیکس فری زونز کے قیام نے ہمارے ہاں سمگلنگ کو فروغ دیا، ڈالروں پر پلنے والی این جی اوز کو کھلی چھوٹ نے اپنی ریاست کے بجائے دشمن سے وفاداری کا کلچر متعارف کرایا،سعودی وایرانی ریال کی پائپ لائن نے فرقہ واریت کو جلا بخشی اور وقتاً فوقتاً آنے والی ایمنسٹی سکیموں نے کالے دھن کے حوصلہ افزائی کی۔ایسے میں فقط مدارس فنڈنگ کا ڈھول پیٹنے کا یہی مطلب ہے کہ آپ قومی سطح پر کسی مالیاتی ڈسپلن کے لیے فکرمند نہیں بلکہ کچھ ایسے بیرونی مطالبات کی تکمیل آپ کا ایجنڈہ ہے جن سے شاید آپ کے حصے کے ڈالرز مشروط ہیں۔

❑ خواہ مخواہ بدنام کرنے کی کوشش کرنا

اعتراض: مدارس دینیہ سے نکلنے والے افراد معاشرہ کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دیتے؟

جواب: دین مسلمانوں کی مشترک جائیداد ہے اس لئے اس کی حفاظت بھی سب کی ذمہ داری ہے اب سارے لوگ اپنے تمام کام چھوڑ چھاڑ کر اس کام کو نہیں کر سکتے اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو یہ کام بند ہوجائے گا لہذا ضروری ہے کہ ایک جماعت محض خادمان دین کی ہو کہ یہ لوگ اس کے سوا اور کوئی کام نہ کریں اور اصول یہ ہے جو شخص کسی کی ضرورتوں میں محبوس ہو اس کا نان ونفقہ اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے چنانچہ اسی اصول کی بنا پر زوجہ کا نفقہ شوہر پر اور قاضی کا نفقہ بیت المال پر اور شاہد کا نفقہ من لہ الشہادۃ پر ہوتا ہے پس علماء کرام مسلمانوں کے مذہبی کام میں محبوس ہیں اور ان کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں اور روزمرہ ان کو پیش آنے والے مسائل کا شرعی حل بتاتے ہیں اس لئے ان علماء کرام کا نفقہ بھی عام مسلمانوں پر واجب ہوگا۔

یونیورسٹی کے طلبا	مدارس کے طلبا
سیاست میں حصہ لیں تو روشن مستقبل کی ضمانت ہے	مدارس کے طلبا حصہ لیں تو مذہب کارڈ کا استعمال ہے
دھرنا دیں احتجاج کردیں سیاسی شعور نشانی	طلبا کریں تو پڑھائی کا حرج
لیڈر کی بات مانیں تو منظم ہونے کی علامت ہے	استاد/امیر کی بات مانیں تو برین واشنگ
توڑ پھوڑ کریں یہاں تک قتل کردیں جوانی کا ابال خون میں گرمی	فٹنس پر توجہ دیں کراٹے وغیرہ تو دہشت گردی پاکستان کی سالمیت کا خطرہ
جنسی بے راہ روی کا شکار ہو تو نصاب سے کوئی تعلق نہیں	کتے کو پتھر ماردیں تو ان کے نصاب میں ایسا ہے جانوروں کے حقوق نہیں ہوتے
اسکالرشپ حاصل کریں تو ذہین	بیرونی فنڈنگ سے پڑھائی کریں تو ملک کیلئے خطرہ ہوتا ہے
پروفیسر طالبہ پر دست درازی کرے عزت پامال کرے اس کی ذاتی غلطی ہے	استاد اگر کسی طالب علم پر ہاتھ اٹھادے تو مدرسہ بند کرنے کی بات ہوتی ہے
حرام کی کمائی سے رشوت لیکر بینک بیلنس بنالے تو اس کا کمایا ہوا پیسہ ہے	عالم دین اپنی محنت سے گاڑی وغیرہ لے لے تو دین اسلام کو بیچنے والا

❑ بے گناہ طلباء کو گرفتار کرکے ان کی نسبت کالعدم تنظیموں سے جوڑ دینا

مدارس پر سب سے بڑا الزام دہشت گردی کا لگایا جاتا ہے۔ بلا جواز چھاپے مار کر مدارس کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، قرآن وسنت پڑھنے والے غیر ملکی طلبہ کو گرفتار کرکے ان کا تعلق القاعدہ سے جوڑنے کی ناکام کوشش کی گئی لیکن حکومت کی ساری مشینریاں بھی اس بات کو ثابت نہ کرسکیں کہ ہزاروں مدارس میں کسی ایک کا تعلق بھی القاعدہ سے ہے۔ امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کے دورۂ پاکستان کے موقع پر اسلام آباد سمیت کراچی کے دینی مدارس سے کے تقریباً 150 طلبہ کو گرفتار کیا گیا جن میں 3 تاجک طلبہ بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ گرفتاریاں

دار اصل ہیلری کلنٹن کو سلامی تھی ورنہ ان تمام طلبہ میں سے کسی ایک کا تعلق بھی القاعدہ سے ثابت نہیں کیا جا سکا۔

❑ فرد کی غلطی کا الزام پوری جماعت پر لگا دینا

اگر فرض کریں ہزار ہاں دینی مدارس میں سے کسی ایک دو مدرسوں کے بارے میں دہشت گردی کا الزام ثابت ہو جاتا ہے تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس کی بنیاد پر تمام دینی مدارس کو دہشت گرد قرار دیا جائے؟ کیا دنیا بھر کے تعلیمی اداروں میں بعض اوقات کچھ جرائم پیشہ افراد داخل نہیں ہو جاتے؟ کیا اس کی بناء پر تمام تعلیمی اداروں کو جرائم پیشہ قرار دے دینا عقل وانصاف کے کسی خانے میں فٹ ہو سکتا ہے؟

❑ توہین، تحقیر، تذلیل اور اہانت

ائمہ مساجد اور دیگر عاملے کو بلا وجہ ذہنی دباؤ میں رکھتے ہیں، اور کام لینے میں ان کی عزت اور مرتبہ کا خیال نہیں رکھتے، مؤذن سے وہ کام کرواتے ہیں جو خود کو کرنے سے عیب اور بے عزتی سمجھتا ہو۔ اور ان کو حقیر اور کمتر سمجھتے ہیں۔

بات بات پر ائمہ کرام پر تنقید کرتے، ان کی چھوٹی سے غلطی کو بڑھا چڑھا کے لوگوں کے سامنے ان کو سنا دیتے ہیں۔

❑ کام زیادہ لینا تنخواہ نہ دینا یا کم دینا

مسجد کی کمیٹی والوں کا مسجد کے مؤذن اور خادم پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک بندے سے تین تین بندوں کا کام لیتے ہیں۔ اور کام لینے میں نہ ان کی جسمانی اور ان کی ذہنی صلاحیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

ائمہ کرام اور مؤذن حضرات کو اتنی کم تنخواہ دیتے ہیں جس سے وہ بمشکل اپنا گزر بسر کر سکے۔ بلکہ باہر کی دنیا میں کسی ادنیٰ نوکر چپڑاسی کی تنخواہ بھی بعض مرتبہ کسی پیش امام کی تنخواہ سے زیادہ ہوتی۔ اور اس پر مزید یہ ہے کہ بعض مرتبہ وہ تنخواہ بھی بروقت نہیں ملتی، بغیر کسی وجہ کے تاخیر کرتے ہیں۔

کتاب:۔4

اہل علم سے سوال کرنے، مسئلہ پوچھنے کے آداب

- کیوں سوال کریں؟
- کب سوال کرنا ہے؟
- کون سوال کرے؟
- کیسے سوال کریں؟

اہل علم سے سوال کرنے، مسئلہ پوچھنے کے آداب

❑ کیوں سوال کریں

(1) دین سیکھنے، اللہ تعالی کی پسند ناپسند جاننے کے لیے سوال کریں، اپنی بات کی تائید کے لئے یا اپنی قابلیت جتانے یا دوسروں کو آزمانے یا پریشان کرنے یا لاجواب اور خاموش کرنے کے لئے سوال نہ کریں۔

ایک حدیث میں آتا ہے

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ.(195)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اس لیے علم سیکھا کہ اس کے ذریعہ سے علماء کا مقابلہ کرے یا بیوقوف لوگوں سے بحث و جھگڑا کرے اور لوگوں کو اس سے اپنی طرف متوجہ کرے (تاکہ وہ اسے مال وغیرہ دیں) تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جہنم میں داخل کرے گا۔

الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ میں ہے

وَيُكْرَهُ وَأَنْ يَسْأَلَ عَلَى سَبِيلِ التَّعَنُّتِ وَالْإِفْحَامِ وَطَلَبِ الْغَلَبَةِ فِي الْخِصَامِ ، لِمَا فِي الْحَدِيثِ: إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ.(196)

اور مکروہ ہے کہ سوال میں تعمیق اور تکلف کی حد کو پہنچے اور یہ کہ سرکشی، لاجواب کرنے اور جھگڑے میں غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے سوال کرے۔ کیونکہ حدیث میں: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ جھگڑالو لوگ ہیں۔

(2)عمل کرنے کے لئے سوال کریں لہٰذا جو مسائل درپیش ہوں انہیں معلوم کریں فرضی، فضول سوالات نہ کریں،صرف اپنے عمل سے متعلق سوال بھیجیں، دوسرے شخص کے عمل سے متعلق سوال نہ بھیجیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ.(197)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی شخص کے بہترین مسلمان ہونے کا تقاضا ہے کہ لغو باتوں کو چھوڑ دے۔

(3)حق اور حقیقت معلوم کرنے، دوسروں کو بتلانے کے لئے سوال کریں۔کسی فرد، جماعت یا ادارے کو ذلیل اور بدنام کرنے یا نقصان پہنچانے کے لیے سوال نہ کریں، ایسے سوالات کرنے سے گریز کریں جو اشتعال انگیز یا تعصب پر مبنی ہوں۔

(4)حق اور حقیقت جاننے ،حقدار تک حق پہنچانے کے لیے سوال کریں،لہذا سوال میں حق بات بیان کریں جو، جتنا، جیسا ہے وہی بتائیں،صرف ان معاملات میں ہی سوال نہ کریں جہاں اپنے حق میں اور اپنی مرضی کا جواب ملنے کی امید ہو۔کسی کا حق دبانے کے لیے سوال نہ کریں من پسند جواب حاصل کرنے کے لئے چالاکی سے کام نہ لیں، حقائق کو نہ چھپائیں ،نہ غلط بیانی کریں اور نہ مبالغہ آمیزی سے کام لیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ. وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ. فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ. فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ. فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئاً. فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ.(198)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں بھی بشر ہوں اور تم

میرے پاس لڑتے جھگڑتے آتے ہو شائد تم میں سے کوئی باتیں بنا کر اپنے دعوے کو ثابت کر لے پھر میں اس کے موافق فیصلہ کروں اس کے کہنے پر تو جس شخص کو میں اس کے بھائی حق دلا دوں وہ نہ لے کیونکہ میں ایک انگارہ آگ کا اس کو دلاتا ہوں۔

❑ کب سوال کرنا ہے؟

موقع محل دیکھ کر سوال کرنا چاہیے، بے وقت بے موقع سوال نہیں کرنا چاہیے، لہذا راستے میں، مشغولیت و مصروفیت کے وقت، ذہنی انتشار و پریشانی، آرام و راحت کے وقت یا جب کسی سے بات کر رہے ہو اس وقت سوال نہیں کرنا چاہیے۔

يَنْبَغِي لِلْمُسْتَفْتِي حِفْظُ الْأَدَبِ مَعَ الْمُفْتِي، وَأَنْ يُجِلَّهُ وَيُعَظِّمَهُ لِعِلْمِهِ وَلِأَنَّهُ مُرْشِدٌ لَهُ . وَلاَ يَنْبَغِي أَنْ يَسْأَلَهُ عِنْدَ هَمٍّ أَوْ ضَجَرٍ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ مِمَّا يَشْغَلُ الْقَلْبَ. (199)

مستفتی کے لیے مناسب یہ ہے کہ مفتی کے ساتھ آداب کی رعایت کرے اور اس کے علم کی وجہ سے ان کی عزت کرے اور اس کی تعظیم کرے اس لیے کہ وہ اس مرشد ہے ۔اور مناسب نہیں کہ اس سے غم اور پریشانی کے وقت یا اس چیز کے وقت سوال کرے جو قلب کو مشغول رکھتی ہے۔

❑ کون سوال کرے؟

جس کا مسئلہ ہے وہ خود سوال کرے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو کسی اور کے ذریعے بھی سوال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ جس کے ذریعے سوال کیا جا رہا ہے اس کو پوری حقیقت بتائی جائے ادھوری معلومات نہ دی جائیں۔

❑ کیسے سوال کریں؟

جس سے سوال کیا جا رہا ہو اسکا خوب ادب و احترام و تعظیم کریں، سلام کریں اچھے انداز میں

مخاطب کریں، اسکے سامنے اداب وتواضع سے بیٹھیں اور اسکے سامنے بیٹھ کر ہاتھوں سے نہ آنکھوں سے اشارہ کریں۔

سوال کرنے میں ان امور کا خیال کریں

باعتبار اعادہ: معلم کسی بات کا جواب نہ دیں تو بار بار سوال نہ کریں۔

باعتبار تعظیم: بعض سوال کرنے والے معلم سے سوال کر کے سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے پابند ہیں، کہ ہمیں جواب دیں جیسے کہ ہم نے ان کو اس کام کیلئے ہی فارغ کر رکھا ہے، اسی طرح یوں نہیں بولنا چاہئے کہ آپ نے فون نہیں ریسیو کیا۔

بعض موقعوں پر سوال کرنے والا یوں بھی کہتا ہے ہاں میری رائے بھی یہی تھی لیکن فلاں کی تو یہ رائے ہے یا میں نے نیٹ پر یوں پڑھا ہے اسی طرح بعض سائل یوں کہتے ہیں،" آپ ذمہ دار ہوں گے، آپ یقین سے کہہ رہے ہیں نا" یہ سب باتیں بے ادبی کی ہیں اس سے بچنا چاہیے۔

بعض موقعوں پر سوال کرنے والا معلم کو ٹوک کر یوں کہتا ہیں کہ آپ میرا سوال نہیں سمجھے، صاف صاف بتائیں یہ حلال ہے یا حرام..... یہ سب باتیں بھی ادب کے خلاف ہیں۔

اگر معلم سوال کا جواب دینے سے گریز کریں یا منع کریں تو ان سے دوبارہ پلٹ کر دوبارہ وہی سوال نہیں پوچھنا چاہیئے۔

باعتبار تحریر: صاف ستھری تحریر ہو اور تحریری میں کوئی چیز مبہم نہ ہو، خوب واضح ہو۔ تحریر میں مناسب الفاظ کا استعمال ہو، تضحیک، تسخیر، توہین کے الفاظ سے بچنا چاہیے۔

باعتبار اختصار و تفصیل: سوال مختصر ہو غیر ضروری تفصیلات سے خالی ہو۔ البتہ اتنا مختصر بھی نہ ہو کہ ضروری باتیں اور حقائق بیان سے رہ جائیں۔

باعتبار زبان: قومی زبان میں سوال کریں۔ مثلاً پاکستان میں اردو میں سوال کریں۔ ہاں اگر جس شخص یا ادارے سے سوال کیا جا رہا ہوں ان کی طرف دیگر زبان (عربی، انگلش وغیرہ)

میں بھی سوال پوچھنے کی اجازت ہوتو پھر دیگر زبان میں بھی سوال کر سکتے ہیں۔

2۔معلم کے سامنے سوال کرتے ہوئے ایسی بات نہ کہی جائے جس سے اس کو دقت ہوتی ہو جب کہ سوال ایسا ہو جس سے حیا ہوتی ہو۔

4۔بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جو فون پر نہیں بتائے جا سکتے لہذا جس سوال کے بارے میں کہہ دیا جائے یہ لکھ کر معلوم کر لیں تو فون یا میسج پر اس کے جواب کا اصرار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ معلم کے پاس جا کر ادب سے اس سوال کو لکھ کر معلوم کریں۔

5۔جواب فون پر یا میسج پر یا راہ چلتے معلوم نہ کریں کہ فورا جواب مل جائے، یہ بات استخفاف دین/ بے ادبی کی ہے،سوال کو معمولی کاغذ یا اسی طرح پرچی پر لکھ کر نہ پوچھیں، بلکہ مناسب کاغذ کا استعمال کریں۔

جواب میں ان امور کا خیال کریں

باعتبار جلدی: جواب میں جلدی کا مطالبہ نہ ہو، بعض مسائل درحقیقت تحقیق/ وقت طلب ہوتے ہیں، نیز بعض اہل علم کے پاس سوالوں کی کثرت ہوتی ہے۔

1۔معلم جب سوال کا جواب دے رہے ہوں تو ان کی بات کو نہیں کاٹنا چاہیے یہاں تک کہ وہ اپنی بات کو مکمل کر لیں پھر اس کے بعد جو کچھ پوچھنا چاہتے ہوں پوچھ لیں۔

3۔اگر اندازہ ہو کہ کسی وجہ سے معلم اس موضوع سے متعلق بات نہیں کرنا چاہتے یا مکمل معلومات نہ ہونے کی وجہ سے جواب نہیں دینا چاہتے تو دوبارہ پلٹ کر اس سے جواب کا اصرار نہ کرے۔

حوالہ جات

حوالہ جات

(1)(بخاری،رقم:79)
(2)(ترمذی،رقم:3488)
(3)(سنن دارمی،رقم:362)
(4)(ابن ماجہ،رقم:224مشکوٰۃ:،رقم:34)
(5)(سنن دارمی،رقم:254)
(6)(سنن دارمی،رقم:246)
(7)(سنن دارمی،رقم:337)
(8)(ترمذی،رقم:2682،ابو داود،رقم:3614،ابن ماجہ،رقم:223)
(9)(ترمذی،رقم:2647)
(10)(مسلم،رقم:2699)
(11)(جامع بیان العلم:55/1،مشکوٰۃ،رقم:249)
(12)(ترمذی،رقم:2648)
(13)(ابن ماجہ،رقم:227)
(14)(انجاح الحاجۃ)
(15)(ابن ماجہ،رقم:219)
(16)(طبرانی،رقم:347،مجمع الزوائد)
(17)(بخاری،رقم:71،مسلم،رقم:1037)
(18/1)(مسند احمد27433)
(18/2)(دیکھیے:حیاۃ الصحابہ ﷺ،الباب الثالث عشر،رغبۃ الصحابہ ﷺ في العلم وترغیبھم بہ)
(19)(ترمذی،رقم:2682،ابو داود،رقم:3614،ابن ماجہ،رقم:223)
(20/1)(ابن ماجہ،رقم:239)
(20/2)(سنن ترمذی:2685،باب فضل الفقہ علی العبادۃ)
(21)(ابن ماجہ،رقم:229)
(22)(موطا امام مالک رحمہ اللہ،رقم:443)
(23)(ابو داود،رقم:3661)

(24)(ابن ماجہ، رقم:240)

(25)(سنن دارمی، رقم:352)

(26)(از "تعلیم اور اس کے مباحث")

(27/1)(انفاس عیسیٰ بتغیر:270/2)

(27/2) عقل کے متعلق سب سے پہلے یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ وہ اپنا طبعی فریضہ (اکتشاف) وتحقیق اور استدلال) انجام دینے میں آزاد نہیں ہے، اس کو اپنے سے کمتر چیزوں کی احتیاج ہے، اس کا کام یہ ہے کہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے، اور اپنے ذخیرہ معلومات اور مبادی ومقدمات کی مدد سے اور ان کو علمی طور پر مرتب کر کے وہ اس نتیجہ تک پہنچے جو اس کو ابھی تک حاصل نہیں تھا۔ اور محض حواس وتجربہ سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ تمام معقولات کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنے سے یہی حقیقت ظاہر ہوگی کہ عقل ان حقائق اور بلند معلومات تک انہیں حقیر محسوسات اور ابتدائی معلومات کی مدد سے پہنچی ہے، جو بلا کسی عقلی اور علمی ترتیب کے ان عظیم الشان نتائج تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ جہاں انسان کے حواس قطعاً کام نہ کر سکتے ہوں، جہاں اس کے پاس معلومات کا سرے سے کوئی ذخیرہ نہ ہو، اور جس کے مبادی سے بھی وہ بالکل محروم ہو، جہاں کی حقیقت حال کا اس کو کوئی اندازہ وتجربہ نہ ہو، اور جہاں قیاس کی بنیادی موجود نہ ہو، وہاں اس کی عقل وذہانت اور اس کا قیاس کیا کام کر سکتا ہے؟ وہاں اس کی عقل اسی طرح بے بس ہوتی ہے، جس طرح انسان کشتی کے بغیر سمندر کو عبور نہیں کر سکتا، اور طیارہ کے بغیر پرواز سے عاجز ہے، ذہین آدمی اعداد سے واقفیت کے بغیر ریاضی کا کوئی سوال حل نہیں کر سکتا، جس شخص نے کسی زبان کا رسم الخط نہیں سیکھا اور وہ اس کے حروف تہجی سے بھی نا آشنا ہے، کتنا ہی ذہین اور جینیس ہو اور ہزار عقل وقیاس اور عرق ریزی سے کام لے اس زبان کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتا، بعینہ اسی طرح مندرجہ بالا سوالات محض عقل سے حل نہیں کیے جاسکتے کیونکہ اس کی مبادی بھی انسان کو حاصل نہیں، نہ وہاں قیاس کی کوئی گنجائش ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت:4/195)

(27/3)(دوسری حقیقت یہ ہے کہ عقل کی قوت اور اس کا عمل محدود ہے، اس کا ایک دائرہ ہے، جس سے وہ باہر نہیں جاسکتی، جس طرح انسان کے حواس کے علیحدہ علیحدہ دائرے ہیں اور ان کا عمل ان کے اندر محدود ہے، حاسہ بصارت سے ہزاروں مبصرات کا ادراک ہوسکتا ہے، لیکن ایک آواز بھی وہ اخذ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح دوسرے حواس، پھر اپنے ان مخصوص محسوسات اور دائرہ عمل میں بھی ان حواس کی قوت اور ان کا عمل غیر محدود نہیں۔

اسی طرح عقل اگرچہ اس کا میدان ان حواس ظاہری سے زیادہ وسیع ہے، لیکن بہر حال محدود ہے، ابن خلدون کے عالمانہ الفاظ ہیں: عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کی فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی دروغ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امور توحید امور آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الٰہی، اور وہ تمام امور وحقائق جو ماوراء عقل ہیں، تول نہیں سکتے، یہ لاحصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایسی ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لیے ہے اس کو ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہو جو ناممکن ہے، اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا، لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے، اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی کہ وہ

اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے۔(تاریخ دعوت وعزیمت:4/196)

(28/1)(تاریخ دعوت وعزیمت:4/210)

عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الٰہیہ کی دریافت کے لیے (خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) مفید نہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے (جس کی تائید اور اعلیٰ درجہ کی سلامت فکر کے سوا کوئی توجیہ ممکن نہیں) کہ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں جب ساری دنیا پر اور خاص طور پر ایران اور ہندوستان پر فلسفہ وحکمہ کی اس تعلیم کے اثر سے جس کا انحصار فلسفہ یونانی پر تھا اور جس نے افلاطون وارسطو کو مقام تقدس اور درجہ عصمت تک پہنچادیا تھا، دماغوں پر عقلیت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ مقدمات عقلیہ سے منطقی طریقہ پر کسی نتیجہ کو ثابت کردینے پر اور فلاسفہ یونانی نے جن چیزوں کو بدیہی اور قطعی بتایا ہے، ان کا نام لے لینے کے بعد زبانیں گنگ اور نگاہیں خیرہ ہوجاتی تھیں، بلکہ پرستاران حکمت وعقلیت ان مزعومہ حقائق کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے تھے۔

مجدد صاحب نے (ہمارے علم میں کم سے کم علماء اسلام میں) پہلی مرتبہ یہ آواز بلند کی کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا جسم عنصری کے تعلق اور ماحول میں پھیلے ہوئے اوہام وتخیلات، عقائد ومسلمات نیز باطنی رجحانات اور راسخ اخلاق اور خواہشات سے آزاد ہونا تقریباً محال ہے، یہاں تک کہ اگر اس کو اشراق وصفائی نفس کی رفاقت ومدد بھی حاصل ہوتب بھی اس کا باطنی رجحانا تاور راسخ اخلاق اور خواہشات سے آزاد ہونا تقریباً محال ہے، یہاں تک کہ اگر اس کو اشراق وصفائی نفس کی رفاقت ومدد بھی حاصل ہوتب بھی اس کا باطنی وخارجی اثرات، تعلیم وتربیت اور معاشرہ یا ماحول میں جن چیزوں نے مسلمات کا درجہ حاصل کرلیا ہے، ان کے اثر سے آزاد ہوکر حقیقت نفس الامری تک پہنچنا اور بے لاگ فیصلہ صادر کرنا الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے۔ اور جس کا کچھ اعتبار نہیں، مجدد صاحب کی یہ تحقیق اور اپنے مکتوبات میں بار بار اس پر زور دینا یہ اس عہد اور ان کے ماحول کے لحاظ ہی سے نہیں، بلکہ علمی وفکری دنیا میں ایک دریافت اور ایک ایسا انقلابی اور جرأت مندانہ اعلان ہے، جس کی قدر وقیمت اور اہمیت کا اندازہ صحیح طور پر ابھی تک نہیں کیا گیا، حالانکہ وہ اس کا مستحق تھا کہ اس کو بحث وتحقیق اور شرح وتفصیل کا موضوع بنایا جاتا ہے۔

عجیب تو اردا اور حیرت انگیز بات ہے کہ مجدد صاحب سے تقریباً دوسو سال بعد جرمنی کے مشہور فلسفی اینول کانٹ نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کے ماحول، ورثہ اور عادات ومعتقدات سے آزاد ہوکر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز کیا، اس نے عقل کے حدود کی جرأت ووضاحت کے ساتھ تعیین کی اور 1781ء میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب تنقید عقل محض شائع کی، جس نے دنیائے فکر وفلسفہ میں ہلچل ڈال دی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے الفاظ میں روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کردیا۔ مغرب میں اس کے اس کارنامہ کی عظمت کا شاندار طریقہ پر اعتراف کیا گیا، اور کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ وہ جرمن قوم کے لیے خدا کا سب سے بڑا عطیہ تھا، تاریخ فلسفہ جدید کا مصنف ڈاکٹر ہیر لڈ ہوفڈ ینگ اس کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ کتاب فلسفہ کا ایک غرفانی کمال پارہ ہے جس نے فکر انسانی کی ہرزہ گردیوں میں انگشت رہنما کا کام کیا۔(تاریخ دعوت وعزیمت:4/210)

(28/2)(مقدمہ آسان ترجمۂ قرآن از مفتی تقی عثمانی صاحب)

اور جس طرح سے کہ عقل کا مرتبہ حواس کے مرتبہ سے ماوراء ہے کہ جس چیز کا حواس سے ادراک نہیں کیا جاسکتا عقل اس کا ادراک کرتی ہے، اسی طرح سے نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ اور مرتبہ سے ماوراء جس کا عقل سے ادراک نہیں کیا جاسکتا، وہ نبوت کے وسیلہ سے ادارک میں آتا ہے، جو شخص عقل کے طریقہ کے علاوہ حصول علم کے لیے کوئی اور طریقہ تسلیم نہیں کرتا، وہ فی الحقیقت طریقہ نبوت کا منکر اور ہدایت کا مخالف ہے۔(تاریخ دعوت وعزیمت:4/230)

(29) (اسلامی معاشیات124)

(30)(تحفۃ العلماء بتصرف 129/1)

(31)(احسن الفتاوی)

(32)قال ابن ارسلان فی شرح قولہ علیہ الصلوۃ والسلام: "اعوذ بکلمات اللہ التامات الخ" اعلم ان الادویۃ الالھیۃ تنفع من الداء بعد حصولہ، وتمنع من وقوعہ وان وقع لم یضرہ، بخلاف الادویۃ الطبیعیۃ فانھا تنفع بعد حصول الداء (بذل المجھود: 11/626)

(33)(از "تعلیم اور اس کے مباحث")

(34)(انوار البیان 4/319)

(35)(تفسیر ماجدی: 1/221)

(36)والمراد بالعلم العلم الشرعی الذی یفید معرفۃ مایحب علی المکلف من أمر دینہ فی عباداتہ ومعاملاتہ، والعلم باللہ وصفاتہ وما یجب لہ من القیام بأمرہ وتنزیھہ عن النقائص، ومدار ذالک علی التفسیر والحدیث والفقہ۔(فتاوی محمودیہ:3/303)

(37)(عمدۃ القاری 42/2)

(38)(بخاری)

(39)(تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں احسن الفتاوی 453/1)(حیاۃ الصحابہ: حقیقۃ العلم وما الذی یقع علیہ اسم العلم مطلقا 243/3)

(40)ومرادھم بالعلم العلم الشرعی، وما ینتفع بہ فیہ دون علم الکلام وامثالہ لما روی عن الامام الشافعی رحمہ اللہ انہ قال: لان یلقی اللہ عبد باکبر الکبائر خیر من ان یلقاہ بعلم الکلام فاذا کان حال الکلام المتداول بینھم فی زمانھم ھکذا، فما ظنک بالکلام المخلوط بھذیان الفلاسفۃ المغمور بین اباطیلھم المزخرفۃ.(ردالمحتار:6/408)

(41)(قلت ذکر لہ فی المقاصد طریقین وقال ھو ضعیف من الوجھین وقال ابن حبان انہ باطل لااصل لہ واخرجہ ابن الجوزی فی الموضوعات قال واخرجہ البیھقی فی الشعب قلت قد التزم ان لایخرج موضوعاً فالاشبہ علیہ بالضعیف والضعیف لایحتج بہ فی الاحکام (جامع)

(42)(ابو داؤد 5012)

(43)(ترمذی: 2322)

(44)(اشرف الجواب: 458)

(45)(ابو داؤد 3645)

(46)(طبقات ابن سعد: 221/2، تاریخ طبری: 353/2، البدایۃ والنھایۃ: 345/4)

(47)(از افادات حضرت مولانا یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ بحوالہ اسلامی طریقہ تجارت 1/148)

(48)مزید تفصیل کے لیے دیکھیں : (نقوش اقبال ص:85، فتاویٰ رحیمیہ: 3/163 دینی تعلیم پر دنیاوی تعلیم کو ترجیح دینے کی مذمت)

(49)(ردالمحتار:6/408)

(50)(خلاصہ از معارف القرآن:3/484، امداد الفتاویٰ:6/156، رحیمیہ:3/173، نقوش اقبال)

(51/1)(رواہ البخاری، کتاب الادب6120)

(51/2)(از "تعلیم اور اس کے مباحث")

(52)تفصیل کے لیے دیکھیں: (1)مذہب و تمدن از علی میاں: 14-20(2)تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم کا باب پنجم، (3)عقل کا دائرہ کار از مفتی تقی عثمانی (4)اشرف الجواب: 340,331)

(53)(آسان ترجمہ قرآن)

(54)(مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی: 167)

(55/1)(ابوداؤد:162، احمد، ترمذی، شامی)

(55/2)(بخاری، رقم:772)

(55/3)(تفصیل کے لیے دیکھیں اسلام اور انسانی حقوق، اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں، مولانا زاہد الراشدی صاحب، تعارف تہذیب مغرب از فلسفہ جدید:166، پروفیسر مفتی محمد احمد، تاریخ دعوت و عزیمت:4/189)

(55/4)(بخاری، صوم، الحائض ترک الصوم و الصلوٰۃ)

(55/5)(بخاری، رقم:1597)

(55/6)(بخاری، رقم:1611)

(56) (رواہ الامام مالک فی الموطا، باب ماجاء فی الغلول: 476)

(57)(امداد الاحکام:1/47,217)

(58)(فتاویٰ عثمانی:1/159)

(59)(معارف القرآن:1/92)

(60)(خطبات حکیم الاسلام1/49)

(61)(خطبات حکیم الاسلام بتغیر:1/58)

(62/1)(معارف القرآن6/508)

(62/2)(تعلیقات بخاری: باب العلم قبل العمل)

(63)(کرمانی و نحوہ فتح الباری1/313 و کذا فی عمدۃ القاری2/58)

(64)(ترمذی: رقم الحدیث2641)

(65)(علماء دیوبند کا دینی رخ اور ان کا مسلکی مزاج، قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ)

(66)(صحیح بخاری، رقم 100: کتاب العلم، صحیح مسلم، رقم: 2673 کتاب العلم، جامع

الترمذی، رقم:2652 کتاب العلم)
(67)(الموافقات "مقدمہ ثانیہ عشرہ")
(68)(اشرف الجواب 252)
(69)(الاتقان:2/176)
(70)(الاتقان 176/2 نوع:77)
(71)(ترمذی، رقم:2650)
(72)(ابوداؤد و نسائی، رقم:3652 از اتقان 2/179 بحوالہ آسان ترجمہ قرآن جلد 1/33,34)
(73)(علوم القرآن صفحہ 366-364)
(74)(علوم القرآن صفحہ 370)
(75)(ترمذی:2641)
(76)(مقدمہ مسلم:16)
(77)(معارف الحدیث:1/65، تحفہ خواتین:39)
(78)(معارف الحدیث:1/66)
(79)(مسلم:240)
(80)(معارف الحدیث:1/65)
(81)(الدار القطنی فی الافراد)
(82)(معارف الحدیث:1/66)
(83)(اشرف الجواب، کثیر الوقوع، اغلاط کی تردید:351)
(84)(اشرف الجواب:228)
(85/1)(اشرف الجواب:346)
(85/2)(تدریب الراوی:180/5)
(86)(تجلیاتِ صفدر:1/29)
(87)(تجلیات صفدر:4-1/583)
(88)(تجلیات صفدر بتغیر:1/584)
(89/1)(معارف القرآن:6/508)
(89/2)(بخاری، رقم:806)
(89/3)(تحفۃ القاری، مفتی سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ:132/3)
(90)(مقدمہ مسلم مع شرح النووی، رقم الحدیث:26)

(91)(احیاء العلوم: 1/86، مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم: 1/93، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: 2/187)
(92)(مشکوۃ رقم:4862، مقدمہ مسلم)
(93)(تاریخ مستدرک حاکم، مسند فردوس دیلمی، کنز العمال 214/10)
(94)(مقدمہ مسلم، رقم الحدیث:16)
(95)(مشکوۃ رقم:3534، بخاری، رقم:3611)
(96)(سنن دارمی 1/81)
(97)(بخاری، رقم:7)
(98)(اصول الغزو الفکری:28-26)
(99) (ترمذی:2687، ابن ماجہ:4169)
(100)(مجلۃ البیان:65/105)
(101)(لسان العرب:5/134، تاج العروس:14/23)
(102)(لسان العرب:5/134، تاج العروس:14/23)
(103)(شرح شمائل ترمذی:264)
(104)(شرح مسلم، شرح الکامل للنووی علی الصحیح لمسلم: 1/11، باب ان الاسناد من الدین، قدیمی)
(105)(فتاویٰ محمودیہ 392/3)
(106)(وفیات الاعیان)
(107)(مقدمہ مسلم، رقم الحدیث:32)
(108)(خطبات حکیم الاسلام:484/1)
(109)(خطبات حکیم الاسلام:81-1/480)
(110)(خطبات حکیم الاسلام:1/484)
(111) (صحیح بخاری، رقم الحدیث:100، صحیح مسلم، رقم الحدیث:2673، جامع الترمذی، رقم الحدیث:2652)
(112)(حصول علم اور اُس کا طریقہ کار 8-47)
(113)(صحیح مسلم:17:66، ترمذی 666/4)
(114)(حصول علم اور اس کا طریق کار:3-52)
(115)(فتاویٰ محمودیہ:3/356)
(116)(معارف القرآن 508/6)

(117)(الموافقات: مقدمہ ثانیۃ عشر)
(118)(مکتوبات حکیم الاسلام)
(119)(تحفۃ العلماء: 1/387)
(120)(خطبات حکیم الاسلام: 1/62)
(121)(ماھنامہ بینات محرم الحرام 1430ء، مطابق جنوری 2009ء)
(122)(سنن الدارمی 1/248، رقم 137، جامع بیان العلم و فضلہ 2/274)
(123)(ترتیب المدارک: 1/179)
(124)(آداب المفتی و المستفتی لابن الصلاح: 1/79)
(125)(آداب الفتویٰ و المفتی و المستفتی للنووی: ص 3)
(126)(جامع بیان العلم و فضلہ: 2/278)
(127)(جامع بیان العلم و فضلہ: 2/45)
(128)(جامع بیان العلم و فضلہ: 2/44)
(129)(جامع بیان العلم و فضلہ: 2/49)
(130/1)(بخاری: کتاب بدء الوحی، باب قولہ وما انا من المتکلفین، رقم 4809)
(130/2)(مسلم، رقم: 2798)
(131) (الآداب الشرعیۃ لابن مفلح: 1/65)
(132)(مصنف ابن ابی شیبۃ: 523-1/522، رقم 952)
(133)(بخاری: کتاب العلم، کیف یقبض العلم، 1/187، رقم 110)
(134)(ابن ماجہ: رقم 4026 و صححہ الالبانی فی الصحیحۃ برقم: 1886)
(135)(جامع بیان العلم و فضلہ: 2/355)
(136)(بخاری، رقم: 3758)
(137)(مقدمہ اعلاء السنن: فوائد شتی/یرجع فی کل علم الی اھلہ: 19/440)
(138)(بخاری جلد 3 کتاب تفسیر سورۃ الکھف 4727)
(139) (تقلید کی شرعی حیثیت: 33)
(140)(سیر اعلام النبلاء: 459-2/582)
(141)(ماروا ہ الاکابر عن مالک بن انس، ص 61)
(142)(ھدایہ: کتاب الصوم، ص 238)
(143)(ھدایہ: کتاب الطھارات، ص 42)
(144)(مختصر القدوری: باب الجنایات، ص 176)

(145)(بخاری:1/58)
(146)(صحیح بخاری، رقم الحدیث:100، صحیح مسلم، رقم الحدیث:2673، جامع الترمذی، رقم الحدیث:2652)
(147)(فتح الباری:13/284)
(148) (فتح الباری:13/286)
(149) (احیاء العلوم:3/36)
(150)(بخاری، رقم:7191)
(151)(الموافقات:مقدمہ ثانیۃ عشرۃ:1/140)
(152)(محمودیہ:391/3)
(153)(جہانِ دیدہ:22-23)
(154)(تاریخ دار العلوم دیوبند178-181)
(155)(نظام تعلیم وتربیت:292)
(156)(سوانح علی میاں القاسم3-541)
(157/1)(بخاری، رقم:3762)
(157/2)(بخاری، رقم:7191)
(157/3)(الموافقات:مقدمۃ الثانیۃ عشرۃ1/41)
(158)(حیاۃ الصحابہ:298/3)(5/232)
(159)(احیاء العلوم:1/155)
(160)(ابو داؤد)
(161)(احیاء العلوم:8-1/127)
(162)(ابو داؤد:5012)
(163)(تحفۃ العلماء:146/1)
(164) (التبلیغ:ص52، ج21از تحفۃ العلماء بتصرف: 9-1/58)
(165)(مسلم:79)
(166)(ابو داؤد:3641)
(167)(ابو داؤد:5012)
(168)(دعوات عبدیت:ص9,10، ج13از تحفۃ العلماء:56-1/58,155)
(169)(مسلم:94)
(170)(فتح الباری شرح صحیح بخاری:8/587)

(171)(الموافقات: مقدمة الثانية عشره از حصول علم اور اس کا طریقۂ کار 49تا51، ترجمان السنة: 1/48)
(172)(بخاری: 1913)
(173)(مشکوٰۃ: 193)
(174)(تحفة العلماء: 1/56)
(175)(ترجمان السنة: 1/47)
(176)(خطبات حکیم الاسلام: 1/62)
(177)(تاریخ دعوت وعزیمت)
(178)(تاریخ دعوت وعزیمت)
(179)(آداب المتعلمین: 105-100)
(180)(الموافقات مقدمة الثانية عشرة)
(181/1)(الدر المنضود: 405، ابو داؤد: 4611)
(181/2)(بخاری، رقم: 4481)
(182)(سنن ابی داود/العلم/فضل العلم/رقم: 3641)
(183/1)(منتخب احادیث/علم/رقم: 28 مسند احمد 157/3)
(183/2)(کتاب الفضائل لمحمد عویضة)
(183/3)(جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر، باب جامع فی فضل العلم)
(184)(جامع الترمذی/ابواب الزهد/ان الدنیا ملعونة/رقم: 2322)
(185/1)(منتخب احادیث/علم/رقم: 27۔ بیهقی فی شعب الایمان 264/2)
(185/2)(المعجم الکبیر للطبرانی: 7906)
(186)(منتخب احادیث/علم/رقم: 25۔ طبرانی فی الکبیر۔ ترغیب 101/1)
(187/1)(مسند الفردوس: /951۔ کنز: 28682)
(187/2)(التنویر شرح الجامع الصغیر: 528/9)
(188)(جامع الترمذی/ابواب العلم/فضل الفقه علی العبادة/رقم 2685)
(189)(منتخب احادیث/اکرام مسلم/رقم: 150۔ بیهقی فی سنن الکبری 161/8)
(190)(جامع الترمذی/ابواب العلم/فضل الفقه علی العبادة/رقم 2681)
(191)(ابنِ کثیر: سورۃ التوبة آیت 65)
(192/1)(منتخب احادیث/علم/رقم: 32۔ مجمع الزوائد 1/328)
(192/2)(تفسیر کبیر: 281/1)
(192/3)(مستدرک حاکم، الرقاق: 7923/4)

(193)(سنن ابی داود/ابواب النوم/الدیک والبھائم/رقم:5101)
(194)(مقدمہ:380)
(195)(سنن ترمذی،رقم:2654)
(196)(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ،فتویٰ/فقرہ:46)
(197)(سنن ترمذی،رقم:2317)
(198)(موطأ امام مالک،رقم:2103)
(199)(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ،فتویٰ/فقرہ:46)

MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION
MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION
MARKAZ TALEEM-O-TARBIYAT FOUNDATION

یادداشت

آیئے ہم ایک دوسرے کے مددگار بنیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی قدر محترم جناب _____ صاحب

امید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے!

آپ اور آپ کی آراء ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے، کوئی تجویز اور مفید بات بتائیں۔

یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللہ تعالیٰ ادارے کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار بنیں گے۔

امید ہے جس جذبے سے یہ گزارش کی گئی ہے، اسی جذبے کے تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

☆ کورس کا تعارف کیسے ہوا؟

☆ کیا آپ نے اپنے محلہ کی مسجد، لائبریری یا مدرسہ/ اسکول میں اس کتاب کو وقف کر کے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفہ میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟ نہیں تو آج ہی یہ نیک کام شروع فرمائیں۔

☆ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟

☆ کتاب کی کمپوزنگ، جلد اور کاغذ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

معمولی ہے ❑ بہتر ہے ❑ اعلیٰ ہے ❑

☆ کتاب کی قیمت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سستی ہے ❑ مناسب ہے ❑ مہنگی ہے ❑

☆ کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والوں اور پڑھنے والوں کے لیے دعائیں تو کرتے ہوں گے

ہاں ❑ نہیں ❑ کبھی کبھی ❑

دوران مطالعہ اگر کسی غلطی پر مطلع ہو جائیں تو ان نمبروں پر میسج یا اطلاع فرمائیے:

0331-2607207 - 03312607204

{مفتی منیر احمد صاحب کی تالیفات ورسائل}

نمبر شمار	کتاب	نمبر شمار	کتاب
1	فہم ایمانیات	19	فہم جمعۃ المبارک
2	فہم محرم الحرام کورس	20	حلال وحرام رشتوں کی پہچان کے رہنما اصول
3	فہم صفر کورس	21	شادی مبارک
4	فہم شعبان کورس (شبّ براءت)	22	کامیاب گھرداری
5	فہم زکوٰۃ کورس	23	بیٹی مبارک ہو
6	فہم رمضان کورس	24	جذباتی رویوں سے ایسے بچیں
7	فہم حج وعمرہ کورس	25	سیرت کوئز لیول 1
8	فہم قربانی کورس	26	سیرت کوئز لیول 2
9	فہم دین کورس	27	حقوق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
10	فہم طہارت کورس	28	حدیث اور اُس کا درجہ کیسے پہچانیں
11	فہم نماز کورس	29	ڈیپریشن، اسٹریس کے اسباب اور اُن کا حل
12	فہم حلال وحرام کورس	30	مالی معاملات اور اخلاقی تعلیمات
13	فہم مسائل حیض ونفاس	31	مالی معاملات اور شرعی تعلیمات
14	سخت بیماریوں، پریشانیوں کا یقینی علاج	32	مالی تنازعات اور ان کا حل
15	توبہ	33	فہم میراث
16	استخارہ	34	آسان علم النحو
17	مسنون اذکار	35	علم دین اور اس کے سیکھنے سکھانے کا صحیح طریقہ
18	فہم نکاح وطلاق	36	طبی اخلاقیات